

فہم القرآن سیریز نمبر 1

سورۃ یوسف

www.KitaboSunnat.com



سوال و جواب کی صورت میں
قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس
پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

﴿ ابانها ۱۱۱ ﴾ ﴿ ۱۲ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۳ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۱۲ ﴾

سوال 1: اس سورت کا نام یوسف کیوں ہے؟

جواب: اس سورت میں یوسف علیہ السلام کے قصے کو بیان کیا گیا ہے۔ جو احسن القصص ہے، اس لیے اس کا نام سورہ یوسف ہے۔

سوال 2: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ سورت ہے اس کی 111 آیات اور 12 رکوع ہیں۔ صحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ بارہویں سورت ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس کا نمبر 53 ہے۔

سوال 3: اس سورت کے کیا مضامین ہیں؟

جواب: (1) اس سورت کے مضامین مکی سورتوں والے ہیں یعنی اصول دین میں سے اللہ تعالیٰ کی توحید، وحی اور رسالت اور بعثت و جزا۔
(2) اس سورت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بھی شدید آزمائشوں سے گزرنے کے بعد مصر کی حکومت کا مالک بنایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی قریش پر غلبہ دے گا اور تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا۔
سوال 4: اس سورت کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی ﷺ یہ سورت پڑھ رہے تھے۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سورت سنی تو مسلمان ہو گئے کیونکہ ان کے دین میں بھی یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسی طرح مذکور ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 864)

رکوع نمبر: 1

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾

﴿ اَلرَّاءُ تِلْكَ اِلْتِ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ (1) ﴾

”الرّاء۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔“ (1)

سوال 1: ﴿ اَلرَّاءُ تِلْكَ اِلْتِ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴾ ”الرّاء۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَلرَّاءُ ﴾ حروف مقطعات ہیں جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (i) ان حروف میں سے ہیں جنہیں انسان لکھتے پڑھتے ہیں۔ (ii) ان حروف کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (2) ﴿ تِلْكَ اِلْتِ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴾ ”یہ واضح کتاب کی آیات ہیں“ یعنی

یہ اس کتاب مقدس کی آیات ہیں جسے قرآن کہا جاتا ہے جو نہایت واضح، روشن اور صاف ہے اور جو نامعلوم چیزوں کی حقیقتوں کا انکشاف کرتا ہے اور ان کی وضاحت کرتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 864/1) (3) کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو حلال و حرام، شریعت کی حدود، اور ان تمام امور کو بیان کرتی ہے جو بنی نوع انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔ (تیسیر الرحمن: 669/1) (4) یعنی جس کے الفاظ اور معنی واضح ہیں۔ اس کے واضح اور بین ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا جو سب سے زیادہ فضیلت کی حامل اور سب سے زیادہ واضح زبان ہے۔ اہلسین سے مراد یہ ہے کہ یہ کتاب مقدس ان تمام حقائق نافعہ کو بیان کرتی ہے جن کے لوگ حاجت مند ہیں اور یہ سب ایضاً و تبیین ہے۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (2)

”یقیناً ہم نے عربی قرآن بنا کر اسے نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔“ (2)

سوال: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”یقیناً ہم نے عربی قرآن بنا کر اسے نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا﴾ ”یقیناً ہم نے قرآن بنا کر اسے نازل کیا ہے“ اللہ رب العزت نے اس کتاب یعنی قرآن مجید کو سب سے زیادہ معزز رسول پر، بلد امین، عزت والے مہینے میں معزز فرشتے کے واسطے سے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ (2) ﴿عَرَبِيًّا﴾ ”عربی بنا کر“ عربی زبان میں جو رسول اللہ ﷺ کی، اہل جنت کی اور قرآن کی زبان ہے۔ (3) چونکہ عربی زبان بڑی فصیح و بلیغ ہے، اپنے دامن میں بڑی وسعت رکھتی ہے۔ مقاصد کو پوری طرح سے، وضاحت سے بیان کرتی ہے اس لیے یہ جلیل الشان، قدر و منزلت والی پاکیزہ ترین کتاب اس بہترین زبان میں دنیا کے کامل ترین انسان یعنی خاتم الانبیاء پر نازل ہوئی۔ (مختصر ابن کثیر: 864/1) (4) ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”تاکہ تم سمجھو“ یعنی تم عقل سے کام لے کر غور و فکر کرو، اسے سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ (5) یعنی تاکہ اس کی حدود، اس کے اصول و فروع اور اس کے اوامر و نواہی کو سمجھ سکو۔ جب تم اس کو ایقان کے ساتھ سمجھ لو گے اور تمہارے دل اس کی معرفت سے لبریز ہو جائیں گے تو اس کے ثمرات، جو ارجح کے عمل اور اطاعت کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1237/2)

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (3)

”ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں اس قرآن (کی بدولت) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اس سے پہلے

یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے۔“ (3)

سوال 1: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ﴾ ”ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں اس

قرآن (کی بدولت) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَنَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ ”ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں“ یعنی ہم آپ کو جو قصہ سنارہے ہیں وہ اپنی سچائی اور خوب صورتی کی وجہ سے سب سے زیادہ اچھا قصہ ہے۔ (2) بہترین کتاب کا ہر واقعہ ہر پہلو سے خوب صورت ہے اس لیے فرمایا کہ ہم وحی کے ذریعے آپ کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں۔ صحابہ نے آپ ﷺ سے اس قصے کے سننے کی تمنا کی تھی اس پر یہ آیت اتری تھی۔ (تفسیر طبری) (3) ﴿يَا أَوْ حَيْنَا إِنَّكَ لَهَذَا الْفُتْنَانِ﴾ ”اس قرآن (کی بدولت) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، یعنی وہ سارے امور جن کو ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کیا۔ ان کے ذریعے ہم نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت عطا کی ہے۔ (4) قرآن حکیم کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں تھے یہ خبر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے دی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے یہ سچا واقعہ نازل کیا گیا آپ نہ تاریخ جانتے تھے نہ کسی سے آپ ﷺ نے سیکھا تھا یقیناً یہ وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو بتایا گیا۔

سوال 2: ﴿وَأَنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَالِبِينَ﴾ ”اور اس سے پہلے یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور اس سے پہلے یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے“ یعنی آپ ﷺ اس سے پہلے بے خبر تھے یعنی نہ آپ ﷺ کسی کے شاگرد تھے نہ کسی اور ذریعے سے خبر رکھتے تھے۔ (2) یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصہ کے بارے میں اہل مکہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور نہ نبی کریم ﷺ کو ہی اس کی کوئی خبر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دینے کے لیے قرآن میں یہ سورت نازل فرمائی۔ (تیسیر الرحمن: 670) (3) آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے؟ (4) یعنی آپ ﷺ احکام، رسولوں کے واقعات، اجتماعی معاملات، اصول معاشرت اور آداب سیاست کو نہیں جانتے تھے۔ (5) یعنی اس سے پہلے آپ ﷺ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں نہیں جانتے تھے۔ (جامع البیان: 159, 160) (6) اس آیت میں قرآن حکیم کی خوبی بیان کی گئی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں چنانچہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کتاب لے کر حاضر ہوئے جو آپ ﷺ کو کسی اہل کتاب سے مل گئی تھی اور اسے پڑھ کر آپ ﷺ کو سنانے لگے۔ آپ ﷺ نے سخت برہم ہو کر فرمایا، خطاب کے بیٹے تم اس میں مصروف ہو کر گمراہ ہونا چاہتے ہو، اللہ کی قسم یاد رکھو میں تمہارے پاس نہایت چمک دار اور روشن قرآن لے کر آیا ہوں، خبردار اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو، ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح بات بتائیں اور تم اسے نہ مانو اور یہ بھی احتمال ہے کہ غلط بتا دیں اور تم اسے مان لو۔ اللہ کی قسم! اگر آج سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (مسند احمد) (7) قرآن حکیم جن قصوں پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے اور یہ قصہ بہترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام، ان کے والد یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ انتہائی خوب صورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

سوال 3: قصہ یوسف کو احسن القصص کیوں کہا گیا؟

جواب: (1) اس قصے میں، ایک پیغمبر کے قصے کی صورت میں یہ بتایا گیا ہے: (i) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ حق کے لیے اٹھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ (iii) اللہ تعالیٰ مخالفین کی سازشوں کے باوجود ان کو کامیاب کرتا ہے۔ (iv) اللہ تعالیٰ نے کامیابی کی شرائط بتائی ہیں: تقویٰ اور صبر یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا اور ہر حال میں حق کے راستے پر جے رہنا۔ (2) اس قصے میں حسد اور دشمنی کا انجام اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان ہے۔ (3) اس قصے میں نفس امارہ کی سرکشیوں کا نتیجہ اور انسانی مسائل اور حادثات کے دلچسپ اور عبرت انگیز پہلو ہیں اس لیے اسے قرآن حکیم میں احسن القصص کہا گیا۔

﴿ اذ قال يوسف لبيو يا بتي ابي رايت احدا عسرا گو گبا والشسس والقمر رايتهم في سجونين (4) ﴾

”جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: ”اے میرے ابا جان! بلاشبہ میں نے گیارہ ستاروں کو اور ایک سورج کو اور ایک چاند کو دیکھا ہے، میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں۔“ (4)

سوال 1: ﴿ اذ قال يوسف لبيو يا بتي ابي رايت احدا عسرا گو گبا والشسس والقمر رايتهم في سجونين ﴾ ”جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: ”اے میرے ابا جان! بلاشبہ میں نے گیارہ ستاروں کو اور ایک سورج کو اور ایک چاند کو دیکھا ہے، میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اذ قال يوسف لبيو ﴾ ”جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا زمانہ انیسویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ آپ علیہ السلام کا گھرانہ فلسطین میں رہائش پذیر تھا۔ (2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ شریف آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ تعالیٰ کا خوف سب سے زیادہ رکھتا ہو“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارے سوال کا مقصد یہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہ پھر سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمارے سوال کا یہ مقصد بھی نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تم لوگ عرب کے خانوادوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ دیکھو! لوگوں کی مثال کانوں کی سی ہے (کسی کان میں سے اچھا مال نکلتا ہے کسی میں سے برا) جو لوگ تم سے زمانہ جاہلیت میں شریف اور بہتر اخلاق کے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے اور شریف ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔“ (صحیح بخاری: 3383) (3) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام تھے۔ (بخاری: 4688) (4) ﴿ يا بتي ﴾ ”اے میرے ابا جان“ سیدنا یوسف علیہ السلام اس وقت بچے تھے۔ (5) ﴿ ابي رايت احدا عسرا گو گبا ﴾ ”بلاشبہ میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو بتایا کہ میں نے خواب میں گیارہ

رہ ستاروں کو دیکھا ہے۔ (6) ﴿ذَالشَّيْءِ وَالْقَمَرِ﴾ ” اور ایک سورج کو اور ایک چاند کو“ یعنی ان کے والدین۔ (جامع البیان: 159,160) (7) ﴿مَا آتَيْنَاهُمْ فِي سُجُودِهِمْ﴾ ” میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں“ یہ خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا مقدمہ ہے جس کی بناء پر وہ دنیا و آخرت میں بلند مقام پر فائز ہوئے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ بڑے بڑے اصولی امور کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے تقدیم پیش کرتا ہے جو اس عمل کے لیے تمہید اور تسہیل کا کام دیتی ہے اور بندے کو ان مشقوں کے لیے تیار کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کے طور پر بندے پر وارد ہوتی ہیں۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی یہ تاویل کی، کہ سورج سے مراد یوسف علیہ السلام کی والدہ، چاند سے مراد والد اور ستاروں سے مراد اس کے بھائی ہیں۔ نیز یہ کہ یہ حالات ایسے حالات میں بدل جائیں گے کہ مذکورہ تمام لوگ یوسف علیہ السلام کے مطیع ہوں گے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔ یہ سب کچھ ان اسباب کی بناء پر ہوگا جو یوسف علیہ السلام کو پیش آئیں گے، اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو اپنے فضل و کرم کے لیے چن لے گا اور علم و عمل کی نعمت سے ان کو مالا مال فرمائے گا اور زمین میں اقتدار عطا کر کے آپ پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے گا اور اقتدار کی یہ نعمت تبعاً تمام آل یعقوب کو شامل ہوگی جو سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے سرفاگندہ ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1238/2، 1239) (9) اس خواب کی تعبیر چالیس سال کے بعد اور ایک قول کی رو سے 80 سال کے بعد ظاہر ہوئی۔ جب آپ علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو شاہی تخت پر بٹھایا اور گیارہ بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا اس وقت آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا آج میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا خواب ہو بہو سچ کر دیا۔ (مختصر ابن کثیر: 861/1)

سوال 2: خواب کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: انسان نیند کی حالت میں جو کچھ دیکھتا ہے، جن حالات سے گزرتا ہے وہ خواب کہلاتے ہیں۔ (1) ماہرین نفسیات کے نزدیک خواب انسان کی چھپی ہوئی خواہشات کا عکس ہوتے ہیں۔ (2) بعض خواب شیطانی وسوسے ہوتے ہیں۔ (3) بعض خواب برے ہوتے ہیں جس سے مستقبل کے خطرے کو بھانپ سکتے ہیں۔ (4) بعض خواب پیش گوئی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتے ہیں۔ سیدنا قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: خواب یہ ہے کہ نفس انسانی جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہری بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قوت خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔ پھر اس کی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو بالکل باطل اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور ایک اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح و صادق ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بے داری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا ہے وہی خواب میں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات انسان کے ذہن میں ڈالتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ اصلیت نہ اس کی واقعی کوئی تعبیر ہو سکتی ہے ان میں پہلی قسم کو حدیث النفس اور دوسری کو تسویل شیطانی کہتے ہیں۔ تیسری قسم جو صحیح اور برحق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے خاص الہام ہے جو اپنے بندہ کو خوش کرنے یا متنبہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے ذہن میں ڈالتے ہیں۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔ (طبرانی) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اور ان سے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 6987) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت میں سے صرف اب مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ مبشرات کیا ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اچھے خواب۔“ (صحیح بخاری: 6990) ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 6984)

﴿ قَالَ يَبُوءُ لَكَ قَبْضُ رُءُوسِكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُ لَكَ كَيْدًا ۗ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴾ (5)

”اس نے کہا: ”اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ (5)

سوال 1: ﴿ قَالَ يَبُوءُ لَكَ قَبْضُ رُءُوسِكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُ لَكَ كَيْدًا ۗ ﴾ ”اس نے کہا: ”اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اس نے کہا: ”اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے“ جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا خواب سنا تو انہیں تاکید کی کہ اپنا خواب بھائیوں کو نہ سنانا۔ (2) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹے کو خواب بیان کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ انہیں اندیشہ تھا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کو نقصان نہ پہنچائیں۔ (3) ﴿ فَيَكِيدُ لَكَ كَيْدًا ۗ ﴾ ”وہ آپ کے خلاف سازشیں کریں گے“ یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان کی چال میں آکر تمہارے بھائی تم سے حسد کرنے لگیں اور تمہارے خلاف کوئی چال چلیں کہ کہیں تم سردار نہ بن جاؤ۔ (4) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اس کو اچھا معلوم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس پر اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کو (اپنے دوستوں سے) بیان بھی کرے اور جو اس کے سوا ایسا خواب دیکھے جو برا معلوم ہو تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے کیونکہ پھر وہ اس کو نقصان نہ دے گا۔“ (بخاری: 6985) (5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں ادا کرے اور کسی کو خواب کے متعلق نہ بتائے تو یہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔“ (مسند الحمیدی: 1145/2، 484/2) (6) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی اور خواب بھائیوں کو نہیں بتایا۔

سوال 2: ﴿ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴾ ”بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے“ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شیطان سے دشمنی رکھو اور ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ شیطان سے دشمنی رکھے، یہ دشمنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) (2) شیطان سے بچیں کیونکہ اسی نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو حسد میں مبتلا کیا تھا اسی وجہ سے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اپنے بھائیوں کو اپنا خواب نہ سنانا۔ (3) جرجانی نے کہا: حسد محمود میں نعمتوں کے زوال کی تمنا ہے۔ (الترغیفات: 87) (4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے یا فرمایا: خشک گھاس کو (کھا جاتی ہے)۔“ (ابوداؤد: 4903) (5) جس شخص کے دل میں دوسروں کے لیے جلن پیدا ہو جائے اسے جان لینا چاہیے کہ یہ شیطان کی لگائی ہوئی آگ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے، وہ شیطان کی راہ نمائی کے مطابق چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ حسد کی آگ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے۔ (6) شیطان دن رات اور کھلے چھپے اس پر وار کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس لیے ان اسباب سے دور رہنا بہتر ہے جن کے ذریعے وہ بندے پر تسلط حاصل کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1239/2)

سوال 3: شیطان دل میں داخل ہو جائے تو انسان کی کیا حالت ہو جاتی ہے؟

جواب: (1) انسان کے معاملات اس کے کنٹرول میں نہیں رہتے۔ (2) اس حالات و واقعات کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتا۔ (3) اس کو چھوٹی باتیں بہت بڑی لگتی ہیں۔ (4) اس کو بڑے جرائم چھوٹے نظر آتے ہیں۔ (5) وہ بڑے جرائم پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔

﴿ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُرِيكَ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَتْهَا عَلَىٰ أَبِي يُونُسَ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ وَاسْمٰعٰلِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦﴾ ﴾

”اور ایسے ہی آپ کا رب آپ کو منتخب کرے گا اور آپ کو باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا اور آپ پر اور اولاد یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا جیسا کہ اس سے پہلے اس نے آپ کے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعٰل پر اسے پورا کیا تھا، یقیناً آپ کا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“ (6)

سوال 1: ﴿ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ﴾ ”اور ایسے ہی آپ کا رب آپ کو منتخب کرے گا اور آپ کو باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ ﴾ ”اور ایسے ہی آپ کا رب آپ کو منتخب کرے گا“ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو ملنے والے بلند مرتبہ کی خبر دی ہے کہ جیسے تمہارے رب نے خواب میں تمہاری عزت اور سیادت دکھائی ہے اسی طرح وہ تمہیں نبوت کا بلند مرتبہ بھی عطا فرمائے گا۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو بہترین اوصاف عطا فرمائے گا۔ (3) ﴿ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ﴾ ”اور آپ کو

باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو آسمانی کتابوں میں آنے والے سچے واقعات کی تاویل اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ (4) تاویل کا مطلب ہے کسی چیز کا انجام معلوم ہو جائے۔ احادیث سے یہاں مراد خواب ہیں۔ تاویل الاحادیث کے معنی خوابوں کی تہمت تک پہنچنا ہیں۔ یہاں اس سے مراد خوابوں کی تعبیر ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف ﷺ کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیا اس پر دلیل یہ آیت ہے۔ ﴿قَالَ لَا يَا بُنَيَّ مَا طَعَامُ تُرَّ قُنَّةٍ إِلَّا بُنَيَّ مَا طَعَامُ بِئِنَّكَ أَتَىٰ يَوْمَهُ لِيَكْمَأَسًا عَلَيَّ رَبِّيٰ إِنَّي نَرُ كُتْمًا وَّ مَلَأَ قَوْمِي لَأَيُّومًا وَّ مَوْنًا بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَا فِرُونَ﴾ یوسف نے کہا: ”تم دونوں کا کھانا جو تمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں۔“ (یوسف: 37)

سوال 2: ﴿وَيُتِمُّ بِعَسَاةٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ﴾ ”اور آپ پر اور اولاد یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا“ سے مراد کون سی نعمت کی تکمیل ہے؟

جواب: (1) ”اور آپ پر اور اولاد یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا“ بڑی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ اس نعمت کی تکمیل سے مراد نبوت کامل جانا ہے۔ (2) نعمت سے مراد وہ انعامات بھی ہیں جو سیدنا یوسف ﷺ کو مصر لے جا کر عطا کیے گئے۔ (3) یعنی وہ دنیا میں تجھے بھلائی عطا کرے گا اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کرے گا۔

سوال 3: ﴿كَمَا آتَيْنَاهَا عَلَىٰ آبَائِكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ﴾ ”جیسا کہ اس سے پہلے اس نے آپ کے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر اسے پورا کیا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم ﷺ اور سیدنا اسحاق ﷺ کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا۔ اسی لیے فرمایا کہ جیسے ان کے لیے انعامات کی تکمیل کی تھی آپ پر بھی کریں گے۔ (2) نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی ہدایت کی توفیق ہے۔ (3) نبوت انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی تکمیل ہے اسی لیے نبوت کو اتمام نعمت قرار دیا گیا۔

سوال 4: ﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”یقیناً آپ کا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”یقیناً آپ کا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“، یعنی آپ کا رب فضیلت کے مواقع کو جانتا ہے اور (یہ کہ) کون نعمتوں کے انتخاب کے لائق ہے۔ (جامع البیان: 161) (2) یعنی اللہ تعالیٰ کا علم تمام اشیاء اور بندوں کے سینوں میں چھپے ہوئے اچھے برے خیالات کو محیط ہے۔ (3) ﴿حَكِيمٌ﴾ ”کمال حکمت والا“، یعنی وہ سب کو اپنی حمد اور حکمت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ وہ حکمت والا ہے اور تمام اشیاء کو اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1240)

رکوع نمبر: 2

﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلِّسَاءِ بَلِيغِينَ (7)﴾

”حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“ (7)

سوال: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلِّسَاءِ بَلِيغِينَ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تبارک تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور اس کے بھائیوں میں نشانیاں ہیں“ یعنی سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بہت سے اسباق ہیں۔ اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کے دلائل ہیں۔ یہ واقعہ تو نصیحتوں کا خزانہ ہے۔ (2) ﴿لِّسَاءِ بَلِيغِينَ﴾ ”پوچھنے والوں کے لیے“ یعنی جو بھی اس واقعہ کے بارے میں سوال کرتا ہے اس کے لیے آیات الہی اور اسباق سے فائدہ اٹھانے کا سامان ہے۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے بارے میں اہل مکہ نے سوال کیا تھا جن کا تذکرہ انہوں نے اپنے سفروں کے دوران یہودیوں سے سن رکھا تھا۔ اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کی نشانیاں ہیں۔ اہل مکہ کو بتا دیا گیا کہ تم وہ لوگ ہو جو برادران یوسف کا کردار ادا کر رہے ہو۔ یہ بتایا گیا کہ نبی ﷺ کا انجام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی ہونے والا ہے، جو سیدنا یوسف علیہ السلام کا مصر میں ہوا۔

﴿إِذْ قَالُوا الْيُوسُفَ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا نَحْنُ غُصْبَةٌ ۚ إِنَّ أَبَانَا لَلْفِي ضَالِّ مُبِينٍ (8)﴾

”جب انہوں نے کہا: ”یقیناً یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ

ہیں، یقیناً ہمارے والد ایک واضح غلطی پر ہیں۔“ (8)

سوال 1: ﴿إِذْ قَالُوا الْيُوسُفَ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا نَحْنُ غُصْبَةٌ﴾ ”جب انہوں نے کہا: ”یقیناً یوسف اور اس کا بھائی دونوں

ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِذْ قَالُوا﴾ ”جب انہوں نے کہا“ یعنی جب انہوں نے ایک دوسرے کو کہا۔ (2) ﴿الْيُوسُفَ وَأَخُوهُ﴾ ”یقیناً یوسف اور اس

کا بھائی“ یوں تو سب ہی یوسف کے بھائی تھے لیکن بنیامین ان کی والدہ راحیل کی طرف سے ان کا بھائی تھا۔ (3) ﴿أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا نَحْنُ

غُصْبَةٌ﴾ ”ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو ہم ہو گیا تھا کہ با

پ کی نظر شفقت جس قدر یوسف اور بنیامین پر ہے اتنی اوروں پر نہیں اس لیے انہوں نے آپس میں قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہمارے باپ کو

جس قدر یوسف اور اس کے بھائی سے محبت ہے اتنی ہم سے نہیں حالانکہ وہ صرف دو ہیں اور ہیں بھی کمزور (چھوٹے) اور ہماری ایک جما

عت ہے جو طاقت ور بھی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 867/1)

سوال 2: ﴿إِنَّ أَبَا لَيْسَىٰ صَالِحٌ مُّؤْمِنٌ﴾ ”یقیناً ہمارے والد ایک صالح غلطی پر ہیں“، یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کے بارے میں کیوں سوچا کہ وہ غلطی پر ہیں؟

جواب: (1) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ خیال تھا کہ کمزور اور تعداد میں کم لوگوں کے مقابلے میں قوت والوں اور کثیر لوگوں سے زیادہ محبت کرنی چاہئے اور ان کے والد یعقوب علیہ السلام چونکہ ایسا نہیں کر رہے تھے اس لیے انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے والد کھلی غلطی پر ہیں۔ (2) یہاں ضلال سے مراد وہ سمجھ کی غلطی ہے جو سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے مطابق باپ سے بچوں کے درمیان ترجیح کے معاملے میں ہوئی۔ (3) سعدی نے کہا کہ ضلال سے مراد ان کے معاملے میں گمراہی تھا۔ (جامع البیان: 163) (4) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد سے بدگمان ہو گئے تھے۔ جس نے انہیں غصہ دلایا تھا اور جب کینے نے غصے کو زیادہ جوش دلایا تو شیطان ان کے دلوں میں داخل ہو گیا اور انہیں حقیقت کو سمجھنے میں مشکل پیش آئی۔ (5) سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ نے) میرے والد بشیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضا مند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس ہبہ پر رسول کریم ﷺ کو گواہ نہ بنا لو۔ چنانچہ سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے بیٹے نعمان کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چیز دی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ کو گواہ بنا لوں۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔“ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد واپس آئے اور مجھے جو چیز دی تھی وہ واپس لے لی۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ ”میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔“ (مشکوٰۃ: 261/1)

﴿اقتلوا يوسفَ أو اطردوه أو اظروا حوزة امرأته علىٰ لکم وجہ آیتکم﴾

”یوسف کو قتل کر دیا اسے کسی زمین میں پھینک دو، تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک بن

جانا۔“ (9)

سوال 1: ﴿اقتلوا يوسفَ أو اطردوه أو اظروا حوزة امرأته علىٰ لکم وجہ آیتکم﴾ ”یوسف کو قتل کر دیا اسے کسی زمین میں پھینک دو، تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی“، یوسف کے بھائیوں کے لیے ان کا قتل کیسے آسان ہو گیا تھا؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دلوں میں شیطان داخل ہو گیا تھا۔ جنہوں نے باپ کی توجہ بٹ جانا اتنا برا جانا کہ قتل جیسا بڑا

جرم ان کے لیے آسان ہو گیا۔ ان کے نزدیک باپ کی زیادہ محبت ایسا بڑا جرم بن گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے چھوٹے بھائی کی جان لینے کے لیے تیار ہو گئے جو نبی کا بیٹا تھا اور اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے اور اپنے والد کے درمیان سے ہٹانے کے لیے تدبیر کی، ان کے خیال میں جدا کرنے کی یہی تڑاکیب تھیں یا تو قتل کر دیا اس زمین سے لے جا کر کہیں دور پھینک آؤ۔ (3) ﴿أَوَاطِرْ حُوءٌ﴾ ”اسے کسی زمین میں پھینک دو“ یعنی دور کی زمین میں پھینک دو جہاں وہ اپنے باپ کو نظر نہ آسکے۔ (4) ﴿يَحُلْ لَكُمْ وَجْهَ أَبِيئِكُمْ﴾ ”تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی“ اگر آپ نے یوسف کو راستے سے ہٹا دیا تو تمہارے والد کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی۔ (5) اس وقت تو اسے تمہاری محبت کے لیے وقت نہیں یوسف علیہ السلام میں مشغول ہے۔ یوسف علیہ السلام کے درمیان سے نکل جانے کے بعد تمہارے باپ کی محبت خالص تمہارے لیے ہو جائے گی۔

سوال 2: ﴿وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ﴾ ”اور اس کے بعد تم نیک بن جانا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ﴾ ”اور اس کے بعد تم بن جانا“ اور اس قتل کے بعد یا جلا وطنی کے بعد۔ (2) ﴿قَوْمًا صَالِحِينَ﴾ ”نیک“ یعنی اس قتل کے گناہ کے بعد توبہ کر لینا، اپنی اصلاح کر لینا۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (3) تم اپنے دینی امور اور اپنے باپ کی اطاعت میں نیک بن جانا یا اپنے دنیاوی امور میں اصلاح کر لینا جنہوں نے تمہیں مشغول رکھا اور وہ یوسف علیہ السلام سے حسد ہے جس نے تمہارے خیالات کو پراگندہ رکھا۔ اپنے ان گناہوں سے توبہ کر لینا۔ (فتح القدر) (4) یہ گناہ سے پہلے توبہ کا عزم ہے۔ ایسے عزم سے گناہ آسان ہو جاتے ہیں، ایسے ارادے گناہ پر آمادہ کرنے کے لیے ایک دوسرے میں حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ (5) ”یہ کام کرنے کے بعد نیک بن جانا“ یہ مشورہ شیطان نے دیا تھا۔ شیطان نے یہ مشورہ اس وقت دیا تھا جب کینے کی آگ بھڑک اٹھی تھی عین اس موقع پر اس نے کہا قتل کر دو اس کے بعد توبہ کر کے نیک بن جانا۔

﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْفُؤُهُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارِ إِنْ كُنْتُمْ مُعْلِمِينَ﴾ (10)

”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر تم کرنے ہی والے ہو تو اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی

قافلہ اسے اٹھالے جائے گا۔“ (10)

سوال 1: ﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْفُؤُهُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارِ إِنْ كُنْتُمْ مُعْلِمِينَ﴾ ”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر تم کرنے ہی والے ہو تو اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ اسے اٹھالے جائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ﴾ ”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا“ قادمہ جلالہ نے کہا کہ وہ روئیل تھا جو سب سے بڑا تھا اور سیدنا

یوسف علیہ السلام کی خالہ کا بیٹا تھا۔ (جامع البیان: 164,165) (2) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں سے کسی نے کہا جنہوں نے قتل یا جلا وطنی کا ارادہ کیا تھا۔ (3) ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ﴾ ”یوسف کو قتل نہ کرو“ کیونکہ قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے یعنی محض حسد کی وجہ سے جو دشمنی ہوگئی اس کی وجہ سے ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور خاص طور پر اپنے بھائی کو قتل کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔ جہاں تک یوسف علیہ السلام کو باپ کی نظروں سے دور کرنے کا تعلق ہے وہ قتل کے بغیر بھی حاصل ہو جائے گا۔ اس نے مشورہ دیا۔ (4) ﴿وَأَلْقُوا فِي عُيُوبَتِ الْجُبِّ﴾ ”تو اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو“ اور بالآخر یہ بات طے بھی ہوگئی کہ یوسف علیہ السلام کو کسی بے آباد کنوئیں میں ڈال دیا جائے اور یوسف علیہ السلام کو دھمکایا جائے کہ اس واقعہ سے کسی کو آگاہ نہ کرے۔ (5) ﴿يُنْفِضُهُمْ غُصَّ السِّبَا رَوْقًا﴾ ”کوئی قافلہ اسے اٹھالے جائے گا“ تاکہ اگر کوئی قافلہ وہاں سے گزرے تو وہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جائے۔ اس سے قتل جیسے جرم سے بھی بچ جائیں گے اور مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ (6) اس پورے معاملے میں سب سے اچھی رائے یہی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر وہ قتل پر اتفاق بھی کر لیتے تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو قتل کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ مصر کی حکومت بھی عطا کی جائے اور انہیں علم تعبیر بھی دیا جائے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بڑے بھائی نے یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ (7) اس قول کا قائل جناب یوسف علیہ السلام کے بارے میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا اس پورے قصے میں سب سے زیادہ نیک اور تقویٰ پر مبنی رویے کا حامل تھا کیونکہ کچھ برسوں کے بعد دوسری برائیوں سے کم تر ہوتی ہیں اور کم نقصان سے بڑے نقصان کو دور کیا جاسکتا ہے۔

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمُرُنَا بِمَنْ بَدَلْنَاكَ لَيْسَ بِنَجْمِ اللَّهِ إِنَّا أُنزِلْنَاهُ رَبَّنَا فَتُدَّبَّرُ نَجْمَ اللَّهِ وَلَمْ تُؤْمَرْ أَن تَبَدَّلَ لَبِاسًا خَلَّىٰ جَنَابَ مُرَيْقَاتٍ لِّئَلَّا تُصِيبَهُ وَاسِيَةٌ تَعْرِفُ الْوَسِيَّةَ وَتَحْتَمِلُ اللَّيْلُ مَا تَكْتُمُ﴾ (11)

”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟ حالانکہ بلاشبہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔“ (11)

سوال: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمُرُنَا بِمَنْ بَدَلْنَاكَ لَيْسَ بِنَجْمِ اللَّهِ إِنَّا أُنزِلْنَاهُ رَبَّنَا فَتُدَّبَّرُ نَجْمَ اللَّهِ وَلَمْ تُؤْمَرْ أَن تَبَدَّلَ لَبِاسًا خَلَّىٰ جَنَابَ مُرَيْقَاتٍ لِّئَلَّا تُصِيبَهُ وَاسِيَةٌ تَعْرِفُ الْوَسِيَّةَ وَتَحْتَمِلُ اللَّيْلُ مَا تَكْتُمُ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟ حالانکہ بلاشبہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا۔ (2) ﴿يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمُرُنَا بِمَنْ بَدَلْنَاكَ لَيْسَ بِنَجْمِ اللَّهِ إِنَّا أُنزِلْنَاهُ رَبَّنَا فَتُدَّبَّرُ نَجْمَ اللَّهِ وَلَمْ تُؤْمَرْ أَن تَبَدَّلَ لَبِاسًا خَلَّىٰ جَنَابَ مُرَيْقَاتٍ لِّئَلَّا تُصِيبَهُ وَاسِيَةٌ تَعْرِفُ الْوَسِيَّةَ وَتَحْتَمِلُ اللَّيْلُ مَا تَكْتُمُ﴾ ”اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟“ یعنی آپ یوسف کے معاملے میں ہمیں امین کیوں نہیں سمجھتے کہ اسے ہمارے ساتھ صحرا میں جانے کے لیے چھوڑ دیں؟ کیا بھائیوں سے بڑھ کر بھی کوئی خیر خواہ ہو سکتا ہے؟ (3) کون سی چیز ہے جو یوسف کے معاملے میں آپ کو ہم سے خوف زدہ کر رہی ہے؟ (4) ﴿وَرَأَاهُ لَبِاسًا خَلَّىٰ جَنَابَ مُرَيْقَاتٍ﴾ ”حالانکہ بلاشبہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں“ یعنی ہم اس کے لیے بھی وہی کچھ چاہتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ (5) سیدنا یعقوب علیہ السلام سیدنا یوسف علیہ السلام کو جنگل میں جانے نہیں دیتے تھے اس بات پر ان کے بھائیوں کا قول دلیل ہے۔

﴿أَمْسِلْهُ مَعًا غَدًا يَوْمًا وَيَلْعَبْ وَإِنَّ أَلَّهُ لَخَفِظُونَ﴾ (12)

”کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم ضرور ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ (12)

سوال 1: ﴿أَمْسِلْهُ مَعًا غَدًا يَوْمًا وَيَلْعَبْ وَإِنَّ أَلَّهُ لَخَفِظُونَ﴾ ”کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم ضرور ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْسِلْهُ مَعًا غَدًا يَوْمًا وَيَلْعَبْ﴾ ”کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے“ کل یوسف کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بھیج دیجئے۔ (2) ﴿يَوْمًا وَيَلْعَبْ﴾ ”وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے“ یعنی ہمارے ساتھ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے تاکہ اس کی وحشت دور ہو جائے۔ (3) ﴿وَإِنَّ أَلَّهُ لَخَفِظُونَ﴾ ”ہم ضرور ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“ یعنی ہر مصیبت سے جو اسے پہنچے گی ہم حفاظت کرنے والے ہیں۔ (تفسیر مرانی) (4) یعنی ہم اس کا دھیان رکھیں گے اور اسے جو چیزیں تکلیف پہنچا سکتی ہیں ان سے بچائیں گے۔

سوال 2: کھیل کود کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟

جواب: کھیل اور تفریح انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ جائز کھیل اور تفریح پر کوئی پابندی نہیں۔ ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جس میں کسی قسم کی قباحت نہ ہو اور جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

﴿قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ﴾ (13)

”اس نے کہا: ”یقیناً مجھے غم زدہ کرتی ہے یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑ یا کھا جائے اور تم اس سے غافل

ہو۔“ (13)

سوال: ﴿قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ﴾ ”اس نے کہا: ”یقیناً مجھے غم زدہ کرتی ہے

یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑ یا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ﴾ ”یقیناً مجھے غم زدہ کرتی ہے یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ“ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی کیونکہ وہ ان میں مستقبل میں ملنے والی نبوت کے آثار دیکھ رہے تھے اور یوسف علیہ السلام کی صورت اور سیرت کا حسن محبت کا موجب تھا۔ اس لیے انہوں نے بھائیوں کے اصرار پر کہا: تم جانتے ہو مجھے یوسف سے کیسی محبت ہے؟ میں اس کی جدائی کیسے برداشت کروں گا؟ اس کی جدائی کا احساس مجھے غم میں مبتلا کرتا ہے، یوسف کو کیسے تمہارے ساتھ بھیج دوں؟ مجھے اس کی جدائی کا غم تمہارے ساتھ بھیجنے سے روکتا ہے اور دوسرے۔ (3) ﴿وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ﴾ ”اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑ یا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو“ یعنی تمہاری غفلت کی وجہ سے مجھے خوف آتا ہے کیونکہ یوسف

چھوٹا ہے ابھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ کر شکار کرنے چلے جاؤ اور کوئی بھیڑیا میرے بیٹے کو کھا جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

﴿قَالُوا لَئِن آكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُونَ﴾ (14)

”انہوں نے کہا: ”اگر واقعی اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں تب تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔“ (14)

سوال: ﴿قَالُوا لَئِن آكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُونَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر واقعی اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں تب تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا لَئِن آكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر واقعی اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کو جواب دیا کہ ہم بھائیوں کا تو پورا جتھہ ہیں اور ہم یوسف علیہ السلام کی حفاظت بھی کرنا چاہتے ہیں پھر آپ کیوں خوف زدہ ہیں؟ یوں انہوں نے دوسرے اندیشے کا علاج کیا جو بیٹے کو بھیجنے کے راستے کی رکاوٹ تھا۔ (2) ﴿إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُونَ﴾ ”ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے“ یعنی اگر ہماری موجودگی میں بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو چھین کر لے جائے پھر تو ہم میں کوئی چیز نہیں جس سے کوئی امید رکھی جاسکے، ہم تو بالکل گئے گزرے لوگ ہیں۔

﴿فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَآجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِمِزْمِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (15)

”پھر جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تم ان کو ضرور ان کے اس کام کی خبر دو گے اس حال میں کہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے۔“ (15)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَآجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابَتِ الْجُبِّ﴾ ”پھر جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے پوری تفصیل کے ساتھ ان اسباب کا ذکر کیا جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کے لیے سیدنا یعقوب علیہ السلام کے دل میں جگہ بنا سکتے تھے پھر ساتھ ہی ان کے اندیشوں کو دور کرنے کے لیے دلائل دیے تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان کی باتوں میں آکر سیدنا یوسف علیہ السلام کو تفریح کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دعائیں دے کر رخصت کیا۔ (2) بھائی یوسف علیہ السلام کو لے کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ ان کے دل باپ کی نگاہوں سے دور ہوتے ہی پتھر ہو گئے۔ انہوں نے جنگل میں جا کر اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کر لیا۔ اب ان کی پوزیشن واضح تھی وہ عمل کرنے پر قدرت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے فیصلے پر عمل کیا اور یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں کنوئیں میں پھینک دیا اور جب وہ کنوئیں میں پہنچ گئے تو رسی کا ٹیڑھ، وہ پانی میں

گرے۔ انہوں نے غوطہ کھایا اور چٹان پر کھڑے ہو گئے۔ (3) یہ بھائی بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس جہان میں کسی کو اختیار حاصل نہیں۔ وہ الفاظ سے اپنے آپ کو خیر خواہ ثابت کر رہے تھے، حالانکہ خیر خواہی عمل سے ہوتی ہے۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے خالی تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو جو ان کا بھائی تھا، ان کے باپ کا جگر گوشہ تھا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باپ سے جدا کرنے کے لیے ہر تدبیر عمل میں لا رہے تھے۔ ان کے دلوں میں کینے کی آگ دہک رہی تھی۔

سوال 2: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنْبِتْنَهُمْ بِأَمْرِهِمْ لَهَذَا أَوْ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تم ان کو ضرور ان کے اس کام کی خبر دو گے اس حال میں کہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ﴾ ”اور ہم نے اس کی طرف وحی کی“ اللہ رب العزت نے یوسف علیہ السلام کی طرف وحی کی جب کہ وہ انتہائی خوف کی حالت میں تھے کہ غم نہ کر و یہ وقت گزر جائے گا۔ (2) ﴿لَتُنْبِتْنَهُمْ بِأَمْرِهِمْ لَهَذَا أَوْ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”کہ تم ان کو ضرور ان کے اس کام کی خبر دو گے اس حال میں کہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے“ یعنی وہ وقت آنے والا ہے جب آپ اپنے بھائیوں کو اس معاملے کے بارے میں آگاہ کریں گے جب کہ وہ بے خبر ہوں گے۔ (3) اس میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے خوش خبری تھی کہ وہ مصیبت سے نجات پا جائیں گے اور اللہ رب العزت انہیں اور ان کے گھر والوں کو اکٹھا کرے گا جب کہ آپ عزت اور اقتدار کے مقام پر ہوں گے۔

﴿وَجَاءَ وَآبَاءَهُمْ عَشَاءً يَبُوءُونَ (16)﴾

”اور وہ رات کو اپنے باپ کے پاس آئے کہ وہ رورہے تھے۔“ (16)

سوال: ﴿وَجَاءَ وَآبَاءَهُمْ عَشَاءً يَبُوءُونَ﴾ ”اور وہ رات کو اپنے باپ کے پاس آئے کہ وہ رورہے تھے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: برادران یوسف معمول کے وقت سے تاخیر کر کے، روتے دھوتے آئے تاکہ انہیں سچا سمجھا جائے۔ اپنے بھائی پر ظلم کر کے، باپ کے دل کو چھلنی کرنے کے لیے رورو کر اپنی داستان سنانے لگے۔

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا إِدَا هَبْنَا سَيْبُ وَتَرَ كُنَّا يَوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَلَّمَهُ الدُّبُّ وَمَا أَنْتَ بِدُونِ لَنَا وَكُنَّا صِدْقِينَ (17)﴾

انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اس کو بھیڑ یا کھا گیا اور آپ ہرگز ہمارا یقین کرنے والے نہیں خواہ ہم سچے ہوں۔“ (17)

سوال 1: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا إِدَا هَبْنَا سَيْبُ وَتَرَ كُنَّا يَوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَلَّمَهُ الدُّبُّ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اس کو بھیڑ یا کھا گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے جھوٹا عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿يَا بَنَاتِ إِدْهِنَّا اسْتِشْيٰۤى﴾ ہم مقابلہ کرنے لگ گئے تھے، بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ (3) ﴿وَكَرَّمْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَلِكِنَا فَكَالَهُ الدِّبُّ﴾ ”اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اس کو بھیڑ یا کھا گیا“ اور ہم نے یوسف علیہ السلام کے آرام اور سامان کی حفاظت کے لیے یوسف علیہ السلام کو سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ (4) ﴿فَكَالَهُ الدِّبُّ﴾ ”سو اس کو بھیڑ یا کھا گیا“ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کہ اس کو بھیڑ یا کھا گیا، جس کا ہمیں بہت دکھ ہے۔

سوال 2: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ ”اور آپ ہرگز ہمارا یقین کرنے والے نہیں خواہ ہم سچے ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾ ”اور آپ ہرگز ہمارا یقین کرنے والے نہیں خواہ ہم سچے ہوں“، یعنی تو ہماری بات کو سچ ماننے والا نہیں۔ (بخاری: کتاب التفسیر) (2) بیٹوں نے باپ سے کہا: آپ کا دل غم گین ہے اس لیے آپ ہماری بات نہیں مانیں گے۔ (3) یعنی معاملے کی نزاکت ایسی ہے کہ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ آپ نے ہمارے جاتے وقت جو اندیشہ ظاہر فرمایا تھا سوء اتفاق سے وہی بات سامنے آئی۔ اب ہم لاکھ قسمیں کھائیں، لاکھ سرچٹیں مگر آپ ہمیں جھوٹا ہی مانیں گے۔ دراصل واقعہ کا انوکھا پن بھی ہمیں حیران کیے ہوئے ہے کہ آخر یہ کیا ہو گیا، ہمیں تو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا، یہ تو تھیں زبانی لن ترانیاں۔ (مختصر ابن کثیر: 870/1) (4) آپ ہماری باتوں کا یقین نہیں کریں گے کہ آپ کی نظروں میں ہم مشکوک ہیں۔

﴿وَجَاءَ عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَدَّقْتُمُونِ ﴿۱۸﴾ وَاللَّهُ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

﴿تَصْفُون﴾ (18)

”اور وہ یوسف کے قمیص پر جھوٹا خون لگالائے، باپ نے کہا: ”بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک کام مزین کر دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگی جاسکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔“ (18)

سوال 1: ﴿وَجَاءَ عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ ”اور وہ یوسف کے قمیص پر جھوٹا خون لگالائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) برادران یوسف نے اپنے عذر کو ثابت کرنے کے لیے ایک بکری کے بچے کے خون سے یوسف علیہ السلام کا قمیص بھر دیا تھا کہ یقین آجائے کہ اسے واقعی بھیڑ یا کھا گیا ہے۔ (2) سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اگر بھیڑ یا کھاتا تو قمیص پھٹی ہوتی۔ (جامع البیان: 175) برادران یوسف قمیص پھاڑنا بھول گئے تھے۔ عجیب معاملہ تھا کہ قمیص خون سے بھری ہوئی صحیح سلامت تھی۔ گویا بھیڑیے نے اسے آرام سے اتارا اور پھر پھاڑ کھایا۔

سوال 2: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً﴾ ”باپ نے کہا: ”بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک کام مزین کر دیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَوَاءٌ﴾ کا معنی تمہارے دلوں نے ایک من گھڑت بات کو اپنے لیے اچھا سمجھ لیا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) یعنی تمہارے دلوں نے ایک بڑے کام کو تمہارے لیے مزین اور آسان کر دیا کہ تم نے اس کا ارتکاب کر لیا۔ (الاساس فی التفسیر 1: 2638/3) سیدنا یعقوب علیہ السلام پر حقیقت کھل چکی تھی اس لیے انہوں نے کہا: تمہارے نفس نے میرے اور یوسف علیہ السلام کے درمیان جدائی ڈالنے کے لیے ایک برے کام کو تمہارے سامنے مزین کر دیا کیونکہ قرآن و احوال اور یوسف علیہ السلام کا خواب یعقوب علیہ السلام کے اس قول پر دلالت کرتے تھے۔ (تفسیر سعدی: 2/1244)

سوال 3: ﴿فَصَبْرٌ جَبِيلٌ ۗ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ ”اچھا صبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگی جاسکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَصَبْرٌ جَبِيلٌ﴾ ”اچھا صبر ہے“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں اس آزمائش میں صبر جمیل پر قائم رہوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکوہ لوگوں کے سامنے نہیں کروں گا۔ (2) مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: جمیل صبر وہی ہوتا ہے جس میں کسی طرح کی شکایت نہ ہو۔ (3) عبدالرزاق نے امام ثوری رحمہ اللہ سے اور انہوں نے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ تین باتیں صبر میں سے ہیں یعنی صبر جمیل میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (1) کسی سے شکوہ نہ کیا جائے۔ (ب) مصیبت کسی پر ظاہر نہ کی جائے۔ (ج) خود کو بے گناہ نہ سمجھا جائے۔ (جامع البیان: 175) (4) اس کی تفسیر میں امام بخاری افک والی حدیث لائے ہیں جس میں ہے کہ اللہ کی قسم میری اور تمہاری مثال یوسف علیہ السلام کے والد کی سی ہے جنہوں نے فرمایا تھا کہ اب تو صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری ان لن ترانیوں پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کی درخواست ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/870-871) (5) ﴿وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگی جاسکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو“ یعنی جو جھوٹ تم بولتے ہو اس پر میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہوں۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا اور اس سے مدد چاہی جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اس یقین کے ساتھ انہوں نے اپنی قوت اور اختیار پر بھروسہ نہیں کیا اور اپنے رب کے سامنے اپنے صدمے کی شکایت رکھی۔ ﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَدْنًا وَحُرْمَةَ آلِي اللَّهِ﴾ ”یعقوب نے کہا: میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں۔“ (یوسف: 86) اللہ تعالیٰ کے پاس شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ (6) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جو مومن لوگوں سے مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے (انتقام نہیں لیتا نہ ان کی شکایت میں زبان کھولتا ہے) اس کو زیادہ ثواب ہے اس مومن سے جو لوگوں سے نہیں ملتا نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: 4032) (7) سیدنا ابویحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے، تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، تو یہ (صبر کرنا

بھی) اس کے لئے بہتر ہے (کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے۔) (صحیح مسلم: 7500)

﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةً فَأَتَتْ سَلْوًا وَإِذَا رَأَتْهُمْ فَادَّتْ لِذَلْوَةٍ قَالَتْ يَبْشُرِي هَذَا عِلْمٌ وَأَسْرُودَةٌ بِضَاعَةٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا

يَعْمَلُونَ﴾ (19)

”اور ایک راہ چلتا قافلہ آیا تو انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا، چنانچہ اس نے اپنا ڈول لٹکایا تو کہا: ”مبارک ہو! یہ ایک لڑکا ہے“ اور انہوں نے تجارت کا مال بنا کر اسے چھپا رکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اس کو جو وہ کر رہے تھے۔“ (19)

سوال: ﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةً فَأَتَتْ سَلْوًا وَإِذَا رَأَتْهُمْ فَادَّتْ لِذَلْوَةٍ قَالَتْ يَبْشُرِي هَذَا عِلْمٌ وَأَسْرُودَةٌ بِضَاعَةٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور ایک راہ چلتا قافلہ آیا تو انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا، چنانچہ اس نے اپنا ڈول لٹکایا تو کہا: ”مبارک ہو! یہ ایک لڑکا ہے“ اور انہوں نے تجارت کا مال بنا کر اسے چھپا رکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اس کو جو وہ کر رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةً﴾ ”اور ایک راہ چلتا قافلہ آیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام کی کنعان سے روانگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق خفیہ تدبیر عمل میں آئی۔ بھائیوں نے کنوئیں کی تاریکی میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو تین دن بعد ایک قافلہ ادھر سے گزرا۔ (2) ایک تجارتی قافلہ جو مدین سے مصر جا رہا تھا اس کا گزر کنوئیں کے پاس سے ہوا۔ (3) ﴿فَأَتَتْ سَلْوًا وَإِذَا رَأَتْهُمْ﴾ ”تو انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا“ قافلے والوں کو پانی کی ضرورت پڑی تو پانی کی تلاش کے لیے ہراول سقے کو بھیجا۔ (4) ﴿فَادَّتْ لِذَلْوَةٍ﴾ ”اس نے اپنا ڈول لٹکایا“ یعنی پانی تلاش کرنے والے سقے نے ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈول کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور ڈول کے ساتھ باہر آجاتے ہیں۔ (5) ﴿قَالَتْ يَبْشُرِي هَذَا عِلْمٌ﴾ ”تو کہا: ”مبارک ہو! یہ ایک لڑکا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مارے خوشی کے ہراول سقے چیخ پڑا کہ یہ تو قیمتی غلام ہے۔ (6) ﴿وَأَسْرُودَةٌ بِضَاعَةٌ﴾ ”اور انہوں نے تجارت کا مال بنا کر اسے چھپا رکھا“ پھر یوسف علیہ السلام کو قیمتی مال تجارت کی طرح چھپا دیا اور دوسرے لوگوں پر بھی ظاہر نہ کیا۔ انہیں یہی کہا کہ قریب رہنے والوں سے خریدا ہے۔ (7) یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی قریب ہی تھے انہوں نے ظاہر کیا کہ یوسف علیہ السلام ان کا بھگا ہوا غلام ہے۔ اس طرح قافلے والوں نے غلام یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے معمولی قیمت پر خرید لیا۔ (8) ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ ”حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اس کو جو وہ کر رہے تھے“ اللہ تعالیٰ نے اس میں شدید دھمکی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے جو کچھ انہوں نے کیا۔

﴿وَسَرُّودُهُمْ بِحُسْنٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الرَّاغِبِينَ﴾ (20)

”اور انہوں نے تھوڑی سی قیمت پر چند گنے ہوئے درہموں میں اسے بیچ دیا اور وہ اس سے رغبت نہ رکھنے والوں میں سے تھے۔“ (20)

سوال: ﴿وَشَرَوْهُ بِحَسَنِ بَيْعٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾ ”اور انہوں نے تھوڑی سی قیمت پر چند گئے ہوئے

درہموں میں اسے بیچ دیا اور وہ اس سے رغبت نہ رکھنے والوں میں سے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَشَرَوْهُ بِحَسَنِ بَيْعٍ﴾ ”اور انہوں نے تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام بک گئے اور بہت ہی معمولی قیمت

میں۔ (2) ﴿دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾ ”چند گئے ہوئے درہموں میں، اور وہ اس سے رغبت نہ رکھنے والوں میں سے

تھے“ چند درہموں کے عوض کیونکہ ان کا مقصد یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اسے غائب کر دیں۔

دراصل ان کا مقصد یوسف علیہ السلام کی قیمت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس لیے وہ اس لین دین سے بھی بے زار ہو رہے تھے۔

رکوع نمبر: 3

﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۗ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۗ وَنُعَلِّمُهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ ۗ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (21)﴾

”اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا: ”اس کی رہائش باعزت رکھو، امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا

بنالیں۔“ اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ دی، اور تاکہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں اور اللہ تعالیٰ

اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ (21)

سوال 1: ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۗ﴾ ”اور مصر کے جس شخص نے اسے

خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا: ”اس کی رہائش باعزت رکھو، امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ﴾ ”اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا“ قافلہ جب مصر

پہنچا تو انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو فروخت کر دیا۔ عزیز مصر نے انہیں خرید لیا۔ (2) اللہ تعالیٰ کے الطاف بے پایاں کا ذکر ہے کہ اس نے

خریدار یوسف علیہ السلام کے دل میں آپ علیہ السلام کی محبت پیدا کر دی۔ اس نے آپ علیہ السلام کی درخشاں پیشانی سے انوار سعادت جھلکتے دیکھ کر سمجھ لیا

کہ یہ کوئی بڑا آدمی بننے والا ہے اور ہمارے حق میں یہ انتہائی بابرکت ثابت ہوگا۔ خریدار یوسف علیہ السلام عزیز مصر وزیر خزانہ تھا۔ (مختصر ابن کثیر

872/1: (3) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین شخص نہایت دورانگیز گزرے ہیں۔ (الف) عزیز مصر جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو دیکھتے

ہی سمجھ گیا کہ یہ غلام برکت والا ثابت ہوگا۔ (ب) سیدنا شعیب علیہ السلام کی صاحب زادی جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی متاثر لیا تھا کہ آپ علیہ السلام طاقت ور اور امانت دار ہیں اور باپ سے سفارش کی کہ آپ انہیں ملازم رکھ لیجیے۔ آپ کو ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔ (ج) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو مرض الموت میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر گئے۔ (4) عزیز مصر نے اپنی بیوی سے سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہا۔ (5) ﴿اَلَمْ يَكُنْ مِنْ مَّوَدَّةِ عَسَىٰ اَنْ يَّبْتِغَمَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَاَوْلَادًا﴾ ”اس کی رہائش باعث رکھو، امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں“ ﴿اَلَمْ يَكُنْ مِنْ مَّوَدَّةِ﴾ اکرام کرد ﴿مَّوَدَّةِ﴾ ٹھہرنے کی جگہ ﴿اَلَمْ يَكُنْ مِنْ مَّوَدَّةِ﴾ سے مراد ان کی ذات کا اکرام ہے۔ اور ﴿اَلَمْ يَكُنْ مِنْ مَّوَدَّةِ﴾ سے مراد اس کے قیام کا اکرام کرد۔ (6) ﴿عَسَىٰ اَنْ يَّبْتِغَمَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَاَوْلَادًا﴾ ”امید ہے وہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں“ یعنی یا تو ہم غلام جیسا فائدہ اٹھائیں گے کہ خدمت لیں گے یا بیٹا بنالیں گے اور نفع اٹھائیں گے۔ اس نے یہ بات اس لیے کہی کہ شاید اس کے یہاں اولاد نہ تھی۔

سوال 2: ﴿وَكُلِّ لِكَ مَكْتَابِيُوسُفٰ فِي الْاَمْرٰضِ﴾ ”اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ دی“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے قدم مصر کی سرزمین میں کیسے جمائے گئے؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازش کی وجہ سے وہ اندھے کنوئیں میں ڈالے گئے۔ پھر انہیں مصر لاکر فروخت کیا گیا اور وہ عزیز مصر کے یہاں پہنچے۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام کے خریدار کے دل اور ان کے خاندان میں ان کے لیے جگہ بنائی گئی۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے معاملہ فہمی کے مواقع فراہم کیے گئے۔ (4) یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے کنوئیں میں ڈلو اکر اور عزیز مصر کے دل میں ان کی جگہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے مصر کے اقتدار کا راستہ آسان کر دیا۔

سوال 3: ﴿وَالْبَعْلَبَةُ مِنْ تَاوِيلِ الْاَحَادِيثِ﴾ ”اور تاکہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ”اور تاکہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں“ سے مراد ہے ہر معاملے میں صحیح فیصلہ کرنے کی تعلیم۔ (2) واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی تعلیم۔ (3) خوابوں کی تعبیر کی تعلیم۔ (4) زندگی کے معاملات کو سکھانے کی تعلیم۔ (5) یعنی انہیں کوئی شغل اور کوئی ہم غم لاحق نہ رہا سوائے حصول علم کے اور یہ چیز ان کے لیے علم الاحکام اور علم التعمیر وغیرہ کے حصول کا باعث بن گئی۔ (تفسیر سعدی 12/46)

سوال 4: ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اس کا حکم سب پر نافذ ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آ سکتا۔ وہ سب پر غالب ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا اَمْرُكَ اِذَا رَاٰ سَيِّئًا اَنْ يَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ یقیناً اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہہ دیتا ہے ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے۔ (پس: 82)

سوال 5: ﴿وَلٰكِنَّا كَثِرَ الْاَكْثَرُ لَآ يَعْصِيُوْنَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں“ اکثر لوگ کس حقیقت سے ناواقف ہیں؟

جواب: (1) اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ (2) اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اس کائنات کے سارے کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتے ہیں۔ (3) اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ لوگوں کے چاہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ (4) اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے معاملات پر کنٹرول حاصل ہے اور اس کے منصوبے کامیاب ہو کر رہتے ہیں۔ (5) اکثر لوگ اس کی تخلیق کی حکمت، اس کے لطف اور اس بات کو نہیں جانتے کہ جو وہ ارادہ کرتا ہے وہ کر لیتا ہے۔ (الاساس فی التفسیر) (6) ابن عطیہ نے کہا: اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے کہ جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا اور وہ نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی تدبیر نہ ہوتی۔ زختری نے کہا: وہ لوگ نہیں جانتے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (البحر المحیط) (7) اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے غیب کے بارے میں نہیں جانتے کہ اس میں کیسے عظیم راز اور نفع مندرجہ پوشیدہ ہیں۔ (فتح القدیر) (8) ﴿وَلٰكِنَّا كَثِرَ الْاَكْثَرُ لَآ يَعْصِيُوْنَ﴾ اسی وجہ سے ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام قدریہ کے مقابلے میں افعال سرزد ہوتے ہیں حالانکہ وہ انتہائی عاجز اور انتہائی کمزور ہیں، کوئی مقابلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتا۔ (9) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علم کی مدح اور جہالت کی مذمت کی ہے۔ جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے احسان کے مقام پر علم کا ذکر کیا جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وَلِنَعْلَمَنَّ﴾ ”اور تاکہ ہم اسے سکھائیں“ اور جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّا كَثِرَ الْاَكْثَرُ لَآ يَعْصِيُوْنَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں“ اور علم اسی کی طرف سے ہے جس کو وہ نہیں جانتے (یہ مذمت ہے) اور علم دو طرح کا ہے: علم شریعت اور علم حقیقت اور ہر ایک کی اپنے مقام پر فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: العلم باللہ: اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سے اعمال مرتبے کو بڑھاتے ہیں؟ فرمایا: العلم باللہ: اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا۔ کہا گیا ہم آپ ﷺ سے عمل کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور آپ ﷺ علم کے بارے میں جواب دیتے ہیں تو فرمایا: ان قليل العمل ينفع مع العلم وان كثير العمل لا ينفع مع الجهل، بے شک تھوڑا عمل علم کے ساتھ نفع دیتا ہے اور کثیر عمل جہالت کے ساتھ نفع نہیں دیتا۔ (روح البیان)

﴿وَلٰكِنَّا كَثِرَ الْاَكْثَرُ لَآ يَعْصِيُوْنَ﴾

”اور جب وہ پختہ عمری کو پہنچا، ہم نے اسے بڑی قوت فیصلہ اور بڑا علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔“ (22)

سوال 1: ﴿وَلٰكِنَّا كَثِرَ الْاَكْثَرُ لَآ يَعْصِيُوْنَ﴾ ”اور جب وہ پختہ عمری کو پہنچا، ہم نے اسے بڑی قوت فیصلہ اور بڑا علم عطا کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلٰكِنَّا كَثِرَ الْاَكْثَرُ لَآ يَعْصِيُوْنَ﴾ ”اور جب وہ پختہ عمری کو پہنچا“ یعنی جب آپ کی عقل مکمل ہوئی اور آپ کی نشوونما تکمیل تک پہنچ گئی تو ہم

نے آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (مختصر ابن کثیر: 870/1) (2) تکمیل عقل کی مدت سے یہاں 40 سال مراد ہیں۔ (3) یعنی جب جناب یوسف علیہ السلام کے تواریح اور تواریح اجمویہ اپنے درجہ کمال کو پہنچ گئے اور ان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ وہ نبوت اور رسالت کا بھاری بوجھ اٹھاسکیں۔ (4) ﴿اِنَّ يٰسُفَٰٓءَ لَكٰٓمُ عِلْمًا وَّ عَلَمًا﴾ ”ہم نے اسے بڑی قوت فیصلہ اور بڑا علم عطا کیا“ حکم اور علم عطا کرنے سے مراد (الف) نبوت یا اس سے پہلے کی دانش مندی ہے۔ (ب) ہر معاملہ میں صحیح فیصلے کرنے کی قوت ہے۔ (ج) واقعات کے نتائج کو معلوم کرنا ہے۔ (د) زندگی کے معاملات کو اچھی طرح سلجھانا ہے۔ (5) یعنی انہیں فہم اور علم عطا فرمایا اور علم سے مراد دین کا علم ہے۔ یعنی ہم نے ان کو نبی، رسول اور عالم ربانی بنایا۔ (تفسیر سعری: 1246/2) (6) علم سے مراد دین کی سمجھ ہے۔ (البحر المحیط) (7) علم سے مراد عمل کرنے کی حکمت ہے۔

سوال 2: ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ ”اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی جو پوری کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اخلاص کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں، اس احسان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نفع مند علم عطا فرماتے ہیں۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ اس آیت سے ہمیں یہ دلیل ملتی ہے کہ یوسف علیہ السلام احسان کے مرتبے پر فائز تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت، علم کثیر اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ الحمد للہ

سوال 3: کیا احسان یعنی حسن عمل کی جزا دنیا میں بھی ملا کرتی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ حسن عمل یعنی پوری کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اخلاص سے عبادت کرنے اور مخلوق کو نفع پہنچانے والوں کو علم نافع عطا کرتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ حسن عمل کی جزا دنیا میں بھی دیتے ہیں۔ (الف) جیسے رشتہ داروں کے معاملے میں حسن عمل یعنی صلہ رحمی کرنے والے کی عمر اور رزق میں برکت دی جاتی ہے۔ (ب) حسن عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کسی کے فہم میں اضافہ فرماتے ہیں۔ (ج) حسن عمل کے نتیجے میں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اقتدار عطا فرماتے ہیں۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ”نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔“ (الرحمن: 60)

﴿وَاَوَدَّتْهُ اَلَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَ غَلَقَتْ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۗ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ سَرِيٌّ

اَحْسَنَ مَعُوَاۗى ۗ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (23)﴾

”اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا اس نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکایا اور اس نے تمام دروازے خوب بند کر دیے اور بولی: ”جلدی

آؤ!، یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ! بلاشبہ میرے مالک نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے۔“ (23)

سوال 1: ﴿وَمَا أَدْنَاهُ الَّذِي هُوَ فِي بَيْتِهَاعَنْ نَفْسِهِ وَعَظَمْتَ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ﴾ ”اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا اس نے

یوسف کو اس کے نفس سے بہکایا اور اس نے تمام دروازے خوب بند کر دیے اور بولی: ”جلدی آؤ!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَدْنَاهُ الَّذِي هُوَ فِي بَيْتِهَاعَنْ نَفْسِهِ﴾ ”اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا اس نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکایا“ یعنی

یوسف علیہ السلام جس عورت کے غلام تھے وہ ان پر فریفتہ ہو گئی۔ اس کے شوہر نے اسے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو عزت و احترام سے

رکھے۔ وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر لٹو ہو گئی۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں رہتے تھے جہاں اس مکروہ فعل کے

غیر محسوس مواقع میسر تھے۔ (3) ﴿وَعَظَمْتَ الْأَبْوَابَ﴾ ”اور اس نے تمام دروازے خوب بند کر دیے“ یعنی جب گھر میں اس کا شوہر نہیں

تھا تو اس نے دروازے بند کر دیے تاکہ کسی کی آمد کا خطرہ ہی نہ رہے۔ (4) ﴿وَقَالَتْ هَيْت لَكَ﴾ ”اور بولی: ”جلدی آؤ!“ اب اس نے

یوسف علیہ السلام کو بدکاری کی دعوت دی کہ میرے پاس آؤ اور یہ برا کام انجام دو۔ (5) سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے یہ آزمائش بھائیوں کی

طرف سے پیش آنے والی آزمائش سے بڑی تھی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام پر دیسی اور غلام تھے اور ایسا فرد غصے کا اظہار نہیں کر سکتا جیسا اپنے وطن

میں اپنے لوگوں کے درمیان ایک آدمی اظہار کرتا ہے۔ وہ عورت حسین تھی اور سیدنا یوسف علیہ السلام جو ان اور غیر شادی شدہ تھے۔ پھر وہ عورت

دھمکیاں دے رہی تھی کہ اگر میری خواہش پوری نہ کی تو قید خانے میں بھجوادے گی۔ (6) سیدنا یوسف علیہ السلام اس فعل پر ہر طرح سے قدرت

رکھنے کے باوجود اس سے رکے رہے۔ انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو ان سارے اسباب پر ترجیح دی۔ جب بھائیوں نے کنویں

میں ڈالا تھا تو وہ صبر ایسی حالت میں تھا جب کہ وہ مجبور تھے اور یہ صبر اختیاری تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس فعل کو چھوڑ دیا۔ انہوں

نے نفس کے ارادے کو جو کہ برائی کا حکم دیتا ہے چھوڑ دیا تو انہیں اپنے رب کی برہان نظر آئی۔ (7) سیدنا یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو

علم، فہم اور ایمان عطا کیا تھا اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے حرام ٹھہرائے ہوئے سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم، ایمان اور خشیت الہی

ہی حق کی برہان تھی جس نے انہیں گناہ سے دور رکھا۔

سوال 2: ﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُغْلَمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ! بلاشبہ میرے

مالک نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ﴾ ”یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ!“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس مکروہ فعل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے لی۔

(2) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس فعل سے اس لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا ارتکاب کرنے والے سے ناراض ہو جاتا ہے اور

اپنے سے دور کر دیتا ہے۔ (3) ﴿إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ ”بلاشبہ میرے مالک نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام اس عورت کی

دعوت کو ٹھکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہارا شوہر میرا سردار ہے۔ اس نے مجھے اچھا مقام دیا اور میں یہ کام کروں؟ یعنی یہ فعل تو میرے آقا

کے حق میں خیانت ہے۔ جس نے مجھے عزت دی میں اس کی بیوی کے ساتھ یہ کام کر کے اس کے احسانات کا ایسا برابر بدلہ دوں تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ (4) ﴿اِنَّهٗ لَا يُغْنِيكَ ظَلْمُكَ فَلَاحٌ لِّمَنْ يَّطِئُهَا﴾ ”یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے“ یعنی خیانت کرنے والے ظالم ہیں اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ (5) سیدنا یوسف علیہ السلام نے تقویٰ کا راستہ اختیار کر کے اپنے آقا کے حق کی رعایت کی اور ظلم سے بچے۔

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ نُنصِرُكَ عَنْهُ الشُّرُوْعُ وَالْفَحْشَآءُ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

الْمُخْلِصِيْنَ﴾ (24)

”اور بلاشبہ یقیناً اس عورت نے اس کا ارادہ کیا اور یوسف بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی، ایسا ہی ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو ہٹا دیں، یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا۔“ (24)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً اس عورت نے اس کا ارادہ کیا اور یوسف بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً اس عورت نے اس کا ارادہ کیا“ اس عورت نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو بدی کی سخت ترغیب دی۔ (2) ﴿وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ”اور یوسف بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی“ یہاں اس آیت میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا بیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے کے لیے نیکی کے ارادے پر ہی ایک نیکی اور نیکی کرنے پر دس نیکیاں لکھی جاتیں اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد برائی ترک کر دے تو اس پر بھی ایک نیکی لکھی جائے کیونکہ اس نے میری وجہ سے برائی چھوڑ دی ہے اور اگر برائی کر لے تو ایک ہی برائی لکھی جائے۔ آپ اس کا ارادہ کر لیتے اگر رب کی نشانی نہ دیکھتے مگر چونکہ آپ نے رب کی نشانی دیکھ لی تھی اس لیے آپ نے ارادہ نہیں فرمایا۔ (مختصر ابن کثیر: 1/873)

(3) ”اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے“ برہان سے مراد دین کا علم، ایمان اور خشیت الہی ہے۔ ایمان ہی وہ حق کی برہان تھا جو یوسف علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کرواتا تھا۔ (4) جیسا کہ ایک اور مقام پر رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّبْتَئِكَ لَقَدْ كُنْتَ تَرْكُنْ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ یقیناً قریب تھا کہ آپ بھی ان کی جانب تھوڑا سا جھک ہی جاتے۔ (بنی اسرائیل: 74) (5) نبی ﷺ نے حدیث احسان میں فرمایا: اِنْ تَعَبَّدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت (اس خشوع و خضوع اور خلوص کے ساتھ) کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر (یہ حالت) نہ نصیب ہو کہ تم اسے دیکھتے ہو تو یہ خیال رہے کہ وہ تو ضرور تمہیں دیکھتا ہے۔ (بخاری: 50) اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا شعور انسان کو احسان کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ مشاہدہ اور مراقبہ ہی حسن عبادت اور حسن عمل کا باعث بنتے ہیں۔

سوال 2: ﴿كَذَلِكَ نَبْصُرُ فِعْنَهُ السُّرُوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۗ إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٥﴾﴾ ”ایسا ہی ہوتا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی

کو ہٹادیں، یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَلِكَ نَبْصُرُ فِعْنَهُ السُّرُوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۗ﴾ ”ایسا ہی ہوتا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو ہٹادیں“، یعنی جس طرح ہم نے

یوسف علیہ السلام کو اس گناہ سے بچایا اسی طرح دیگر برائیوں سے بچانے میں بھی مدد کرتے رہے اور انہیں ہر طرح کی برائیوں سے روکتے رہے کیونکہ آپ ہمارے مخلص و مختار بندے تھے۔ (مختصر ابن کثیر: 873/1) (2) اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کو ایمان کی برہان سے نوازا جو

ان کے قلب میں جاگزیں تھا، جو ان سے اوامر الہی کی اطاعت اور نواہی سے اجتناب کا تقاضا کرتا تھا۔ اس پورے معاملے میں جامع بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیا تھا کیونکہ وہ ان بندوں میں سے تھے جو اپنی عبادت میں اخلاص سے کام

لیتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور اپنے لیے خالص کر لیا اور ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دی اور تمام ناپسندیدہ امور کو ان سے دور کر دیا۔ بنا بریں وہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق میں سے تھے۔ (3) نبی ﷺ نے فرمایا: ”سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے

سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا حکمران، تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اشک بار ہو جانے والا انسان، وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دل وہیں اٹکا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والے دوست

جو اسی بنیاد پر ملتے ہیں اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں، وہ آدمی جو صدقہ دیتا ہے تو اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ دائیں کے دیئے کا بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا، وہ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوانی گزارتا ہے اور وہ مرد جسے کسی صاحب حیثیت

اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا: میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“ (بخاری: 660، مسلم: 1031) (4) نبی ﷺ کی دعا ہے: اَللّٰهُمَّ اَقْسِمُ لَنَا مِنْ حَشِيَّتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ ”اے اللہ! تو ہم کو اپنا ایسا خوف عطا فرما جو ہمارے

اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ (ترمذی: 528/5) (5) ﴿إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٥﴾﴾ ”یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا“ وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو خالص کر لیا۔ (تفسیر کشاف) (6) رب العزت نے

فرمایا: ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٦﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧﴾﴾ اس نے کہا: ”تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو خالص کر دیے گئے۔“ (ص: 82، 83) (7) ﴿إِنَّا آخِضْنَاهُمْ بِمَخَاصِئِهِمْ دُكْرَى الدَّارِ ﴿٦﴾ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا

لَعِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ﴾ یقیناً ہم نے انہیں ایک خاص صفت کے ساتھ منتخب کیا تھا جو اصل گھر کی یاد ہے۔ اور بلاشبہ وہ ہمارے نزدیک یقیناً بہترین برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔ (ص: 46، 47)

سوال 3: عزیز مصر کی بیوی برائی اور بے حیائی سے کیوں نہ بچ پائی؟

جواب: (1) عزیز مصر کی بیوی نے اپنی فطرت کو مسخ کر ڈالا تھا۔ (2) اللہ تعالیٰ سے بے خوبی کی وجہ سے اس کے اندر کا Alarming

System کام نہیں کر رہا تھا۔ (3) عزیز مصر کی بیوی کا اپنے رب سے تعلق نہیں تھا۔ رب کی مدد سے وہ محروم ہوگئی اور برائی اور بے حیائی میں مبتلا ہوگئی۔

سوال 4: کیا یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کا قصد کیا تھا؟

جواب: سیدنا یوسف علیہ السلام نے رب کی برہان دیکھ لی اس لیے ارادہ نہیں کیا۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ انسان کو برائی اور بے حیائی سے کیسے دور رکھتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر فطری طور پر برائی اور بے حیائی کی شناخت رکھی ہے۔ جسے یہاں ”برہان“ کہا گیا۔ اسی کو فطری الہام کہتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے توسط سے علم دین عطا فرمایا، ایمان کی حقیقت سمجھائی اور مسلسل تربیت سے تقویٰ کے ایسے مقام پر پہنچایا جس کی وجہ سے برائی اور بے حیائی سے بچنا ممکن ہو جاتا ہے۔ (3) برائی اور بھلائی کی پہچان اور برائی کے موقع پر انسان کے اندر سے ایک کھٹک کا ابھرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کے اندر بڑا مضبوط Alarming System ہے۔ (4) جو لوگ برائی کی کھٹک پر چونک جاتے ہیں فطرت کی پکار یعنی اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں وہ اپنی فطرت کو زندہ رکھتے ہیں ان کے اندر یہ صلاحیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ (5) جو لوگ برائی کی کھٹک پر برائی چھوڑنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتے ہیں اور یوں برائی اور بے حیائی سے بچنا ممکن ہو جاتا ہے۔

﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَكَلَّتْ قَبِيصَةُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفِيَا سَيْدَهَا لَدَا الْبَابِ ۗ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ

سُوًّا إِلَّا أَنْ يُسَجَّنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (25) ﴾

”اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کو موجود پایا، وہ بولی: ”کیا سزا ہے اس کی جس نے آپ کی گھروالی سے برائی کا ارادہ کیا؟ سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا

دردناک سزا ہو۔“ (25)

سوال 1: ﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَكَلَّتْ قَبِيصَةُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفِيَا سَيْدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ ”اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے

یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کو موجود پایا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ﴾ ”اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے“ سیدنا یوسف علیہ السلام اس عورت کے چنگل سے خود کو بچانے

کے لیے دروازے کی طرف تیزی سے بھاگے تاکہ اس سے بچ کر نکل جائیں۔ (2) ﴿ وَكَلَّتْ قَبِيصَةُ مِنْ دُبُرٍ ﴾ ”اور اس نے یوسف

کا قمیض پیچھے سے پھاڑ دیا“ عزیز مصر کی بیوی سیدنا یوسف علیہ السلام کے پیچھے بھاگی اور پیچھے سے ان کی قمیض کو پکڑ لیا۔ اس کے کھینچنے کی وجہ

سے قیص پھٹ گئی کیونکہ وہ ان کو واپس لے جانا چاہتی تھی۔ (3) ﴿وَأَلْقَيْتَا سِدْرًا مَّا لَكَ الْبَابُ﴾ ”اور دونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کو موجود پایا“ سیدنا یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی بھاگتے ہوئے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دروازے پر عزیز مصر کو پالیا۔ اس کو یہ معاملہ سخت گراں گزرا۔

سوال 2: ﴿قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”وہ بولی: ”کیا سزا ہے اس کی جس نے آپ کی گھر والی سے برائی کا ارادہ کیا؟ سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک سزا ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا﴾ ”وہ بولی: ”کیا سزا ہے اس کی جس نے آپ کی گھر والی سے برائی کا ارادہ کیا؟“ عزیز مصر کی بیوی نے ساری ذمہ داری سیدنا یوسف علیہ السلام پر ڈال دی اور جھوٹ گھڑ کر کہا کہ آپ کا غلام آپ کی بیوی کے ساتھ خیانت کرنا چاہتا تھا۔ اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے آپ کی بیوی سے برائی کی؟ وہ اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنا چاہتی تھی۔ (2) ﴿إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک سزا ہو“ یا تو اس کو یہ سزا دیں کہ جیل خانے میں بھیج دیں یا پھر قرار واقعی سزا دی جائے۔

سوال 3: عزیز مصر کی بیوی نے خود ہی سزا بھی کیوں تجویز کر دی؟

جواب: اس عورت کو یہ ڈر تھا کہ کہیں قتل ہی نہ کر دیا جائے اس لیے ہلکی سزا تجویز کر دی۔

﴿قَالَ هِيَ رَأَوْ دَثِيبي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدًا مِنْ أَهْلِيهَا إِنْ كَانَ قَبِيضَةً قَدَّامِن قُبُلِي فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ

الْكُذِبِينَ﴾ (26)

”اس (یوسف) نے کہا: ”اسی نے میرے نفس کے بارے میں مجھے بہکایا“ اور عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ

اگر یوسف کا قبض آگے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔“ (26)

سوال 1: ﴿قَالَ هِيَ رَأَوْ دَثِيبي عَنْ نَفْسِي﴾ ”اس (یوسف) نے کہا: ”اسی نے میرے نفس کے بارے میں مجھے بہکایا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی کے لیے کیا کہا؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام نے عورت کے الزام سے خود کو بری ثابت کرنے کے لیے کہا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے یہی مجھے بہکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ (2) اس صورت حال میں دونوں کی صداقت کا احتمال تھا مگر یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا تھا کہ دونوں میں سے کون سچا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حق اور صداقت کی کچھ علامات اور نشانیاں مقرر فرمائی ہیں جو حق کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں جنہیں بسا اوقات بندے جانتے ہیں اور بسا اوقات نہیں جانتے۔ چنانچہ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے سچے کی پہچان سے نوازا تا کہ اس کے نبی اور چنیدہ بندے

جناب یوسف علیہ السلام کی برأت کا اظہار ہو۔ (تفسیر سعدی: 2/1249)

سوال 2: سیدنا یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا فیصلہ کیسے ہوا؟

جواب: سیدنا یوسف علیہ السلام نے مجبوراً واقعہ بیان کیا تو عورت کے گھر والوں میں سے ایک شخص جو خاندان کا سمجھدار شخص تھا اس نے فیصلہ کیا۔

سوال 3: ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مَنَ قَبْلُ فَصَدَقْتَ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ﴾ اور عورت کے خاندان میں سے

ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا قمیض آگے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ اور عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی، اللہ تعالیٰ نے عورت کے گھر والوں

میں سے ایک شاہد کو کھڑا کر دیا اور اس نے قرینے کی گواہی دی کہ جس کے پاس یہ قرینہ موجود ہوگا وہی سچا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1249) (2)

یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حالت رضاعت میں چار بچوں نے باتیں کیں جن

میں: (الف) شاہد یوسف بھی ہے۔ (ب) مشاطہ بنت فرعون کا بیٹا۔ (ج) وہ بچہ جس کو ابن جریج کہا گیا۔ (د) سیدنا عیسیٰ ابن مریم۔ (ابن

جریر) (3) ﴿إِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مَنَ قَبْلُ فَصَدَقْتَ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ﴾ اگر یوسف کا قمیض آگے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ

کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے، گواہ نے کہا کہ اگر قمیض آگے سے پھٹی ہو تو اس کا مطلب ہے مرد قصور وار ہے اور عورت دفاع کرنے والی

ہے لہذا وہ سچی اور مرد جھوٹا ہے۔ اس نے اپنی مدافعت کی حالت میں آگے سے اس کا کرتہ پھاڑ ڈالا۔

﴿وَإِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مَنَ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَّبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ﴾ (27)

”اور اگر اس کا قمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے جھوٹ کہا اور وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔“ (27)

سوال: ﴿وَإِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مَنَ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَّبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ﴾ اور اگر اس کا قمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے

جھوٹ کہا اور وہ سچے لوگوں میں سے ہے، گواہ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی سچائی کے لیے کیا گواہی دی؟

جواب: گواہ نے کہا: اگر قمیض پیچھے سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے اور یہ عورت پکڑ کر کھینچ رہی تھی لہذا

عورت جھوٹی ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ كَبِيْرًا قَالَتْ إِنَّ كَبِيْرًا مِّنْ كَبِيْرِكُمْ لَمَسَّ بِرَأْسِ الْكٰذِبِ إِنَّ كَبِيْرًا مِّنْ كَبِيْرِكُمْ لَرَأٰءِيْكُمْ﴾ (27)

”پھر جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو اس نے کہا: ”یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب میں سے ہے، بلاشبہ تم

عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔“ (28)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا رَأَىٰ عِيسَىٰ قُدَّامَهُ دُبُرَ قَالَ إِنَّهُ مِنِّي وَإِنِّي أَنَا كَلِمَ الْكَلِيمِ﴾ ”پھر جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قمیض پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو اس نے کہا: ”یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب میں سے ہے، بلاشبہ تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے“ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیض دیکھی گئی تو عزیز مصر فقط یہ کہہ کر کیوں رہ گیا کہ ان عورتوں کی چالیں بہت بڑی ہوتی ہیں؟

جواب: (1) قمیض کو دیکھ کر ثابت ہو گیا کہ عورت نے ورغلانے کی کوشش کی ہے لیکن عزیز مصر نے اس کو عورتوں کی چال قرار دے کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ (2) نظر انداز کرنے کا سبب ترقی یافتہ سوسائٹی کی خصوصیت ہے۔ اس میں جنسی سکیئنڈل نظر انداز کر دیے جاتے ہیں بلکہ ان کو چھپایا جاتا ہے۔ (3) صدیوں پرانی سوسائٹی اور آج کی سوسائٹی میں یہ جہالت قدر مشترک ہے۔ (4) یوسف علیہ السلام کی قمیض دیکھ کر عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام پاک دامن ہیں اور گناہ سراسر اس کی بیوی کا ہے تو آخر کار اس نے کہہ دیا: ﴿إِنَّ كَلِمَ الْكَلِيمِ﴾ ”بلاشبہ تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے“ اس سے بڑھ کر کیا دھوکہ دہی ہو سکتی ہے کہ بدی کا ارادہ کر کے، اس کا ارتکاب کرنے والی نے اپنے آپ کو سچا ثابت کر کے اپنا بر عمل اللہ تعالیٰ کے نبی یوسف علیہ السلام کے ذمے لگا دیا۔ (5) عزیز مصر نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ یہ محض ایک فریب ہے اور یقیناً عورتوں کا فریب بہت بڑا ہوتا ہے۔

سوال 2: کیا تمام عورتیں مکرو فریب کا پتلا ہوتی ہیں؟

جواب: (1) یہ قول کہ عورتوں کی چالیں بہت بڑی ہوتی ہیں عزیز مصر کا ہے۔ (2) اسے ہر عورت پر چپکانا قرآن حکیم کا مقصد نہیں ہے۔ (3) عزیز مصر نے یہ بات اپنی بیوی کی بری حرکت دیکھ کر کہی تھی ایسی عورتوں کی چالوں کے بارے میں یہ بات درست ہے۔ (4) سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔ (بخاری: 5096) (5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ تشریف لے گئے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تمھیں ہی دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقل مند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا۔ (بخاری: 304)

﴿يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرَ لِكُلِّ نَفْسٍ لَدَيْكَ ۚ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَالِقِينَ﴾ (29)

”یوسف! اس سے درگزر کرو اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ تو ہی بلاشبہ خطا کاروں میں سے ہے۔“ (29)

سوال 1: ﴿يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا﴾ ”یوسف! اس سے درگزر کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) عزیز مصر نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ اس واقعے کو درگزر کرو، کسی سے تذکرہ نہ کرو اور بھول جاؤ۔ (2) وہ اپنی بیوی کے برے عمل کی پردہ داری کرنا چاہتا تھا۔

سوال 2: ﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكَ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِينَ﴾ ”اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ تو ہی بلاشبہ خطا کاروں میں سے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اس شرم ناک فعل سے توبہ کرو اور آئندہ کبھی نہ کرنا۔

رکوع نمبر: 4

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدْيَنَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۗ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ (30)

”اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے بہکا رہی ہے، یقیناً (یوسف کی) محبت اس کے دل میں بس گئی ہے، یقیناً ہم ضرور اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں۔“ (30)

سوال 1: ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدْيَنَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾ ”اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے بہکا رہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدْيَنَةِ﴾ ”اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں“ شہر کی عورتوں نے اس واقعے کو شہر کے گھر گھر تک پھیلا دیا اور عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کرنے لگیں۔ (2) ﴿امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾ ”عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے بہکا رہی ہے“ یعنی عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کے آگے کچھی جا رہی ہے۔ یہ بہت ہی برا کام ہے۔

سوال 2: شہر کی عورتوں میں عزیز مصر کی بیوی کے معاملات کیوں زیر بحث آئے؟

جواب: (1) عزیز مصر نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے بات چھپانے کی تلقین کی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے یقیناً اس کا تذکرہ نہیں کیا ہوگا مگر بات پھیل گئی۔ (2) اس طرح کی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا کرتی ہیں۔ (3) اس سوسائٹی میں لوگ ایسے ہی Scandlise ہوا کرتے ہیں۔

سوال 3: ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۗ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ ”یقیناً (یوسف کی) محبت اس کے دل میں بس گئی ہے، یقیناً ہم ضرور اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ ”یقیناً (یوسف کی) محبت اس کے دل میں بس گئی ہے“ اس غلام کی محبت اس کے دل میں بس گئی

ہے۔ یعنی وہ اس محبت کے انتہائی درجے تک پہنچ گئی ہے۔ (2) ﴿إِنَّا لَنَرُّهَا فِي صَلَاتِ مُؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً ہم ضرور اس کو صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں“ یعنی عزیز کی بیوی ایسی حالت کو پہنچ گئی ہے جو اس کے لیے مناسب نہیں۔ وہ عورتیں جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ محض ایک چال تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ عزیز کی بیوی ہماری باتوں سے غصے میں آ کے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے سیدنا یوسف علیہ السلام کا دیدار کروادے یہی ان کا مکر تھا۔

﴿فَلَمَّا سَعَتْ بِسَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۗ﴾

فَلَمَّا آتَيْنَهُ أَكْبَرُوهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿31﴾

”تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو انہیں پیغام بھیجا اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ، پھر جب عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا پایا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اور کہا: ”اللہ کی پناہ! یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔“ (31)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا سَعَتْ بِسَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۗ﴾

”تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو انہیں پیغام بھیجا اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا سَعَتْ بِسَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ ۗ﴾ ”تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو انہیں پیغام بھیجا“ عزیز

مصر کی بیوی زمانہ شناس تھی جب اس کو خبر ہوئی کہ یوسف علیہ السلام سے محبت کا فسانہ ہرزبان پر ہے اور سب مجھے برا کہہ رہی ہیں تو اس نے اپنے گھر دعوت پر بلایا۔ (2) ﴿وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا﴾ ”اور ان کے لیے تکیہ دار مجلس منعقد کی“ عزیز کی بیوی نے ایک ایسی تکیہ دار مجلس آراستہ

کی جس میں کھانے سجے ہوئے تھے۔ ان کھانوں میں ایسے بھی تھے جن میں چھری کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے۔ (3) ﴿وَآتَتْ كُلَّ

وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا﴾ ”اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی“ جب تمام خواتین دسترخوان پر بیٹھ گئیں تو ہر عورت کو ایک چاقو پیش

کیا گیا تاکہ کھانے کے لیے وہ استعمال کر سکیں۔ (4) ﴿وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ﴾ ”اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ“ سیدنا

یوسف علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں باہر چلے گئے۔ جس وقت سیدنا یوسف علیہ السلام باہر جا رہے تھے تو ان عورتوں نے حسن یوسف کا نظارہ کیا تو ان کی

زبان سے نکلا۔ اللہ کی قسم یہ انسان نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

سوال 2: ﴿فَلَمَّا آتَيْنَهُ أَكْبَرُوهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿31﴾﴾ ”پھر جب

عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑا پایا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اور کہا: ”اللہ کی پناہ! یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے“ کی

وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْتَهُ﴾ ”پھر جب عورتوں نے اسے دیکھا تو اسے بڑاپایا، یعنی انہوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے دل میں بڑا سمجھا اور انہوں نے ایسا حسن دیکھا کہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ (2) ﴿وَوَقَّعْنَ آيِدِيَهُنَّ﴾ ”اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں، انہوں نے حیرانی میں پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ اور انگلیاں کاٹ ڈالیں اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ (3) ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ ”اور کہا: ”اللہ کی پناہ!“ بے ساختگی میں ان کی زبان سے نکلا اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ (4) ﴿مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ ”یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے، اللہ کی قسم یہ انسان نہیں بھلا انسانوں میں ایسا حسن کہاں؟ یہ حسن تو فرشتوں کو ہی نصیب ہے۔ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے جو زمین پر اتر آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حسن اور مردانہ وجاہت عطا فرمائی تھی۔ معراج والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کو آدھا حسن عطا کیا گیا۔ (الصحیح: 1481)

﴿قَالَتْ قَدْ لَبِئْسَ الَّذِي لَمْ يُسْكِنِي فِيهِ ۗ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۗ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرَاةٌ يُرْسِلْنَ وَلَا يَكُوْنُ اَنَّ﴾

﴿مِنَ الصَّغِيْرَةِ﴾ (32)

”عزیز کی بیوی نے کہا: ”یہی تو ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی اور میں نے اسے اس کے نفس سے بہکایا تو وہ بچ نکلا اور واقعی اگر اس نے نہ کیا جو میں اسے حکم دیتی ہوں، تو ضرور وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلیل ہونے والوں میں سے ہو جائے گا۔“ (32)

سوال 1: ﴿قَالَتْ قَدْ لَبِئْسَ الَّذِي لَمْ يُسْكِنِي فِيهِ﴾ ”عزیز کی بیوی نے کہا: ”یہی تو ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ عورتیں حسن یوسف سے مدہوش ہو گئیں، ان کو سیدنا یوسف بہت ہی اچھے لگے تو اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے باطنی حسن اور ان کی مکمل پاک دامنی کا نظارہ بھی کروانا چاہا۔ اس نے عورتوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر اپنی شدید محبت کا اعلان کیا۔ ﴿قَالَتْ قَدْ لَبِئْسَ الَّذِي لَمْ يُسْكِنِي فِيهِ﴾ ”عزیز کی بیوی نے کہا: ”یہی تو ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی“

سوال 2: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ ”اور میں نے اسے اس کے نفس سے بہکایا تو وہ بچ نکلا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ تم نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ میں نے اسے پھسلا یا اور اس نے اپنے آپ کو بچا لیا تو ہاں ایسا ہی ہے۔ اس نے اپنی محبت اور شوق کا اظہار کیا۔

سوال 3: ﴿وَلَمَّا لَمَّ بِعَمَلِ مَا أَمْرُهُ لِيُسْجَنَ وَلِيَكُونَ مِنَ الصَّغِيرِينَ﴾ ”تو ضرور وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلیل ہونے والوں میں سے ہو جائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: عزیز مصر کی بیوی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے عشق میں پختہ ہو گئی تھی اور شوق وصال میں اتنا آگے بڑھ گئی کہ دھمکیوں پر اتر آئی اس نے کہا: ﴿وَلَمَّا لَمَّ بِعَمَلِ مَا أَمْرُهُ لِيُسْجَنَ وَلِيَكُونَ مِنَ الصَّغِيرِينَ﴾ ”تو ضرور وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلیل ہونے والوں میں سے ہو جائے گا“ وہ چاہتی تھی کہ ہر صورت میں یوسف علیہ السلام سے اپنا مقصد حاصل کر لے اس لیے اس نے دھمکی دی کہ اگر میرا کہا نہ مانا تو تمہیں ذلت کے ساتھ قید کی زندگی گذارنی پڑے گی۔

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا يَدْعُونَ نَبِيَّ إِلَهِي وَالْأَتْرَافُ عَنِّي كَيْدٌ لَّهُمْ أَصْبَأ إِلَيْهِمْ وَأَكُنُّ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ (33) ”اس نے کہا: ”اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو وہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔“ (33)

سوال 1: ﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا يَدْعُونَ نَبِيَّ إِلَهِي﴾ ”اس نے کہا: ”اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو وہ مجھے دعوت دے رہی ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جب مصر کے اونچے طبقے کی خواتین اور عزیز مصر کی بیوی ان کے آگے پتھی ہوئی تھیں۔ ﴿قَالَ﴾ انہوں نے اپنے رب سے پناہ مانگتے ہوئے کہا۔ ﴿رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا يَدْعُونَ نَبِيَّ إِلَهِي﴾ ”اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے جو وہ مجھے دعوت دے رہی ہیں“ یوسف علیہ السلام عورتوں کے گھیرے سے گھبرائے اور اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلا دیے کہ اے میرے رب بے حیائی کی زندگی سے جیل بہتر ہے۔ ان عورتوں کی دعوت کے مقابلے میں مجھے قید خانہ منظور ہے۔

سوال 2: جو انسان کسی کی دعوت گناہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اس کا کیا اجر ہے؟

جواب: (1) سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال اور جاہ و منصب والی ہو اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سات طرح کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں پناہ دے گا۔ (ان میں) ایک وہ شخص جسے

کسی صاحب حیثیت اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا: میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: 660، صحیح مسلم: 1031) (2) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مجھے اپنے دو جبرٹوں کے درمیان چیز (زبان) کی اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان چیز (شرم گاہ) کی ضمانت دے دے تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: 6474) (3) لقمان حکیم نے کہا: ورع کی حقیقت پاک دامنی ہے۔ (نظرۃ البصیر: 2886) (4) نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ قَسِيْ شَرِّ نَفْسِيْ وَاعْزِمْ لِيْ عَلَيَّ اَرْشِدَ اَمْرِيْ ”اے اللہ! مجھے میرے نفس کے شر سے بچالے اور درست کام پر مجھے مضبوطی عطا فرما۔ (حاکم: 510/1) (5) اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ”اے اللہ! اپنے حلال کے ساتھ میری کفایت فرما اور مجھے اپنے فضل سے اپنے حرام سے بچا کر اپنے سواہر کسی سے بے نیاز کر دے۔“ (ترمذی: 6) اَللّٰهُمَّ اَلْهَمْنِيْ رُشْدِيْ وَاعْزِنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ ”اے اللہ! میرے دل میں میری ہدایت ڈال دیتے اور میرے نفس کی برائی سے بچالے۔“ (احمد: 444/3)

سوال 3: ﴿وَالَّذِي نَفْسِيْ فِيْهِ كَيْدًا هُنَّ اَصْبٰ اَلْبِهِنَّ وَاَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾ ”اور اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِي نَفْسِيْ فِيْهِ كَيْدًا هُنَّ اَصْبٰ اَلْبِهِنَّ﴾ ”اور اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا“ یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا کہ اے میرے رب! اگر ان عورتوں کے شرم ناک ارادوں اور کمر و فریب سے مجھے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر ان کے جال میں پھنس جاؤں گا کیونکہ میں کمزور بندہ ہوں۔ (2) ﴿وَاَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾ ”اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا“ کیونکہ یہ سب جہالت کا کام ہے، کیونکہ جاہل ختم ہو جانے والی قلیل لذت کو جنت میں حاصل ہونے والی دائمی لذت اور انواع و اقسام کی شہوات پر ترجیح دیتا ہے اور جو دنیا کی اس لذت کو جنت کی لذتوں پر ترجیح دیتا ہے اس سے بڑھ کر کون جاہل ہے؟ علم و عقل ہمیشہ بڑی مصلحت اور دائمی لذت کو مقدم رکھنے اور ان امور کو ترجیح دینے کی دعوت دیتے ہیں جن کا انجام قابل ستائش ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1253/2)

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۗ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (34)

”چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی سو ان کا فریب اس سے دور کر دیا یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے

والا ہے۔“ (34)

سوال 1: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ﴾ ”چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی سو ان کا فریب اس سے دور کر دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ﴾ ”چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی“ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرما لی۔ (2) ﴿فَصَرَكَ عَنَّا كَيْدُهُنَّ﴾ ”سوان کا فریب اس سے دور کر دیا“ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو عورتوں کے جال اور گناہوں سے بچالیا۔ انہیں کمال درجے کی پاکیزگی عطا کی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام پاک دامنی اور روحانیت کے کمال پر تھے جیسے وہ حسن و جمال میں کمال پر تھے۔

سوال 2: ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ﴾ ”یقیناً وہ سب کچھ سننے والا ہے“ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا سن لی اور قبول کر لی اور انہیں عورتوں کے شر سے بچالیا۔ (2) ﴿الْعَلِيمُ﴾ ”سب کچھ جاننے والا ہے“ اللہ تعالیٰ نیوتوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ نیک نیتی اور فطری کمزوریوں کو جاننے والا رب مدد کے لیے پکارنے والے کی، دعا کرنے والے کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے انہیں آزمائش سے نجات دلائی۔

﴿ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ (35)﴾

”پھر اس کے بعد کہ انہوں نے کئی نشانیاں دیکھ لیں یہی ظاہر ہوا کہ ایک عرصے تک وہ اسے لازماً قید کر دیں۔“ (35)

سوال 1: ﴿ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ ”پھر اس کے بعد کہ انہوں نے کئی نشانیاں دیکھ لیں یہی ظاہر ہوا کہ ایک عرصے تک وہ اسے لازماً قید کر دیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ﴾ ”پھر یہی ظاہر ہوا“ لوگوں پر اور عزیز مصر پر سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی ظاہر ہو گئی۔ (2) ﴿مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ﴾ ”اس کے بعد کہ انہوں نے کئی نشانیاں دیکھ لیں“ یعنی یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد اور وہ قیص تھی جس کا دامن پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ (ایسر التفسیر: 677) (2) ﴿لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ ”ایک عرصے تک وہ اسے لازماً قید کر دیں“ تاکہ اس طرح خبر منقطع ہو جائے اور لوگ اس واقعہ کو بھول جائیں، کیونکہ جب کوئی خبر شائع ہو جاتی ہے تو اس کا ذکر عام ہونے لگتا ہے اور خود اسباب کے باعث یہ خبر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ جب اسباب معدوم ہو جاتے ہیں اس واقعہ کو بھلا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس میں یہی مصلحت دیکھی تو یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈال دیا۔ (تفسیر سعدی: 1253/2) (3) اس واقعہ سے جہاں مردوں کی اپنی بیگمات کے سامنے بے بسی پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی انصاف کرنے والی عدالتیں بھی ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ کے اصول پر اپنے فیصلے کیا کرتی تھیں اور نامعلوم مدت اس لیے تھی کہ نہ تو کوئی فرد جرم لگ سکتی تھی اور نہ ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا تھا کہ اس بے گناہی کی سزا کتنی مدت ہو سکتی ہے، اور غالباً اس میں یہ مصلحت سمجھی گئی کہ جب تک لوگ اور بالخصوص عورتیں یہ بھول نہ جائیں یوسف کو قید میں رکھا

دیاجائے۔ (تیسیر القرآن: 392)

سوال 2: سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہو جانے کے باوجود ان کو قید کیوں کیا گیا؟

جواب: (1) اونچے طبقے کے گھرانوں کی عزت کا تحفظ اس طرح ہوتا ہے کہ بے گناہوں کو قید کر دیا جائے۔ (2) عزیز مصر اپنی بیوی کو سیدنا یوسف علیہ السلام سے دور رکھنا چاہتا تھا بیوی پر تو بس نہیں چلتا تھا غلام پر بس چلا تو اسے قید کروا دیا۔

رکوع نمبر: 5

﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنٌ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَمْسِقُ أَخِيَّ أَخِيَّ الْأَخْيَرُ إِنِّي أَمْسِقُ أَخِيَّ ۗ ﴾

﴿ قَوْلِي رَأَيْتُ حُذْرًا تَأْكُلُ الظُّيُومَ مِنْهُ ۖ نَبِئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۗ إِنَّا نُنَبِّئُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (36) ﴾

”اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو غلام بھی داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: ”میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں کچھ شراب کشید رہا ہوں۔“ اور دوسرے نے کہا: ”میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جن سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، بلاشبہ ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں۔“ (36)

سوال 1: ﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنٌ ﴾ ”اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو غلام بھی داخل ہوئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا یوسف علیہ السلام جس دن قید خانے میں داخل ہوئے اسی دن دو اور افراد بھی جیل میں آئے۔ ان میں سے ایک تو شاہی باورچی تھا اور دوسرا شاہی ساتھی۔ ان پر بادشاہ کوڑھ دینے کا الزام تھا۔

سوال 2: ﴿ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَمْسِقُ أَخِيَّ أَخِيَّ الْأَخْيَرُ ﴾ ”ان میں سے ایک نے کہا: ”میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں کچھ شراب کشید رہا ہوں۔“ اور دوسرے نے کہا: ”میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جن سے پرندے کھا رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَمْسِقُ أَخِيَّ أَخِيَّ الْأَخْيَرُ ﴾ ”ان میں سے ایک نے کہا: ”میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں کچھ شراب کشید رہا ہوں“ ان دونوں میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ میں انگوروں کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں۔ اہل عمان انگور کو نمبر ہی کے نام سے پکارتے تھے۔ پورا خواب یہ تھا کہ میں نے انگور کا درخت لگایا ہے، اس میں خوشے لگے ہوئے ہیں۔ میں درخت سے انگور کے خوشے توڑ کر اس سے رس نچوڑ رہا ہوں تاکہ بادشاہ کو پلاؤں۔ (مختصر ابن کثیر: 878/1) (2) ﴿ وَقَالَ الْأَخْيَرُ إِنِّي أَمْسِقُ أَخِيَّ أَخِيَّ الْأَخْيَرُ ﴾ ”اور دوسرے نے کہا: ”میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں“ دوسرے نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔ (3) ﴿ تَأْكُلُ الظُّيُومَ مِنْهُ ﴾ ”جن سے پرندے کھا رہے ہیں“ یعنی روٹیوں کو کھانے کے لیے پرندے آرہے

ہیں اور اس میں سے کھارے ہیں۔

سوال 3: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْغَوَاةِ إِذَا أُنزِلَتْ عَلَيْكَ الْوَحْيُ لِيَسْمَعُوا فِيهِ آيَاتِنَا وَلِيَذَكَّرُوا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ”ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، بلاشبہ ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْغَوَاةِ﴾ ”ہمیں اس کی تعبیر بتائیے“ دونوں قیدی سیدنا یوسف علیہ السلام کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔ قید خانے میں ان کی عبادت، سچائی اور امانت کی بڑی شہرت تھی۔ دونوں قیدی بھی سیدنا یوسف علیہ السلام سے بے حد محبت کرتے تھے، انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھی کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ (2) ﴿إِنَّا نُرِيكَ مِنَ الْمُسْتَسْخِرِينَ﴾ ”بلاشبہ ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں“ دونوں قیدیوں نے اعتراف کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے ہیں ہم پر بھی احسان کریں۔

﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقْنِي إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذِكْرًا مِمَّا عَمِلْتُمْ رَبِّيَ إِنِّي

تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ حُمْ قَوْمٍ﴾ (37)

”یوسف نے کہا: ”تم دونوں کا کھانا جو تمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں۔“ (37)

سوال: ﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقْنِي إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا﴾ ”یوسف نے کہا: ”تم دونوں کا کھانا جو تمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے ان کے مطالبے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقْنِي إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا﴾ ”تم دونوں کا کھانا جو تمہیں یہاں ملتا ہے تمہارے پاس وہ نہیں آئے گا مگر اس سے پہلے ہی میں اس کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا“ یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوستوں سے کہا کہ میں تمہارے خوابوں کی تعبیر تمہیں ضرور بتاؤں گا مجھے اس کا علم ہے۔ تمہارا کھانا آنے سے پہلے تمہیں تمہارے خواب کی تعبیر بتا دوں گا۔ (3) یوسف علیہ السلام اس موقع پر انہیں ایمان کی دعوت دینا چاہتے تھے اور اس کے لیے کھانے کا وقت جو انتظار کا وقت تھا زیادہ مفید تھا اس لیے کہ وہ ان دونوں قیدیوں کے لیے بھی زیادہ قابل قبول تھا۔

سوال 2: ﴿ذِكْرًا مِمَّا عَمِلْتُمْ رَبِّيَ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ حُمْ قَوْمٍ﴾ ”یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا کفر کرنے

والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یعنی میں تم دونوں کو جو تعبیر بتاؤں گا۔ (2) ﴿مِنَّا عَلَيْنِي رَبِّي﴾ ”اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے“ یہ علم تعبیر مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے۔ (3) ﴿اِنِّي تَرَكْتُ مَلَّةً قَوُّمًا لَّيُّوْمًا مُّؤْمِنًا بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ ”یقیناً میں نے ان کا طریقہ چھوڑ دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں“ میرا راستہ ان لوگوں سے الگ ہے جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، نہ آخرت پر یقین، نہ آخرت کے ثواب کی امید رکھتے ہیں نہ عذاب کا خوف انہیں برائی سے روکتا ہے۔

﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۗ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَاَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ (38)

”اور میں نے اپنے آباؤ اجداد یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے، ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔“ (38)

سوال 1: ﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ ”اور میں نے اپنے آباؤ اجداد یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ﴾ ”اور میں نے دین کی پیروی کی ہے“ یعنی میں دین کی پیروی کرتا ہوں۔ (ایسر التفسیر: 677) (2) ﴿اٰبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ ”اپنے آباؤ اجداد یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب“ یعنی میں اپنے باپ دادا جو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، ان کے راستے پر چل رہا ہوں۔ (3) میں کفر اور شرک کے راستے سے الگ ہوں۔ (4) میں نے کافروں کے دین کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق نہیں کرتے، نہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کی ہے جو توحید خالص کی طرف دعوت دیتے تھے۔ (تفسیر منیر: 599/6) اللہ تعالیٰ کی جانب سے سچے نبیوں پر ہمیشہ رحمت کی بارش رہے۔ (آمین)

سوال 2: ﴿مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا كَانَ لَنَا﴾ ”ہمارا یہ کام نہیں“ ہمارے لیے درست نہیں، ہمارے لائق نہیں۔ (2) ﴿اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”کہ ہم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قلیل اور حقیر یا عظیم چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ (3) یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں اور اسی کے لیے دین اور عبودیت کو خالص کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 12/1255) (4) ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اپنے معبود کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ جس نے خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

سوال 3: ﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ﴾ ”یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ ”یہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے“ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے۔ (2) ﴿عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ﴾ ”ہم پر اور تمام لوگوں پر“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے سینوں میں توحید اتاری اور ہمارے دل اس کے انوار سے جگمگائے، اسی کی ہم پر وحی بھیجی گئی اور اسی دولت کو لوٹنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور ہم اس نعمت عظمیٰ کو دے کر لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/879) (3) اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو انبیاء کے راستے پر چلتے ہیں اور گمراہوں سے بے زار رہتے ہیں۔ رب العزت انہیں ہدایت کے راستے پر چلاتا ہے اور انہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے جن کو وہ پہلے نہیں جانتے۔ (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے نوجوانوں میں یہ بات محسوس کر لی تھی کہ وہ ان کی عزت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ جو بات بتائیں گے وہ حق ہے اس لیے یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اگر میں شرک سے بچ گیا اور میں اس مقام پر پہنچ گیا آپ بھی اسی راستے پر چلو۔

سوال 4: ﴿وَلٰكِنَّا كَثُرْنَا لَا نَشْكُرُوْنَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ (2) اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اس کی جانب سے آنے والی راہ نمائی، اس کی ہدایت ہے لیکن اکثر لوگ نبیوں کو، دین حق کو پہچاننے سے محروم رہتے ہیں۔ (3) اکثر لوگ رب العزت کی دی ہوئی تعلیم کو ٹھکرا کر شیطان کی تعلیم کو اپنالیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحْلَوْا قَوْلَهُمْ دِمَارًا ۗ لَئِنْ لَمْ يَرْسُلْنَا بِكَ اللّٰهُ رَسُوْلًا لَّا يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ يَصَلُّوْنَ ۗ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ۗ وَرَبُّهُمْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ابراہیم: 28,29)

﴿يٰصٰحِبِ السِّجْنِ اٰرْبَابٌ مُّتَّفَرِّقُوْنَ ۗ حَيِّرْ اَمْرَ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهْمٰٓءُ﴾ (39)

”اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! کیا جدا جدا رب بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہی ہے، نہایت زبردست ہے؟“ (39)

سوال: ﴿يٰصٰحِبِ السِّجْنِ اٰرْبَابٌ مُّتَّفَرِّقُوْنَ ۗ حَيِّرْ اَمْرَ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهْمٰٓءُ﴾ ”اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! کیا جدا جدا رب بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہی ہے، نہایت زبردست ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَصَاحِبِ السَّجِينِ﴾ ”اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!“ اور وہ دونوں نوجوان تھے جن میں سے ایک شاہی باورچی اور دوسرا شاہی ساتھی تھا۔ (ایسر التفاسیر: 678) (2) ﴿ءَأَمْهَابٌ مُّتَقَرَّبُونَ حَبِيبٍ﴾ ”کیا جدا جدا رب بہتر ہیں“ سیدنا یوسف ؑ نے اپنے قید خانے کے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی کہ بہت سارے معبود کھڑی اور پتھر کے بت، فرشتے اور مردہ ہستیاں اور مختلف قسم کے معبود جو کمزور ہیں، نفع نہیں دے سکتے، نقصان سے نہیں بچا سکتے، نہ کسی کو عزت عطا کر سکتے ہیں نہ ذلت سے بچا سکتے ہیں، نہ عطا کر سکتے ہیں، نہ محرومی سے بچا سکتے ہیں، کیا یہ معبود بہتر ہیں۔ (3) ﴿أَوِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہی ہے، نہایت زبردست ہے؟“ یا اللہ تعالیٰ جو ساری صفات کمال کا مالک ہے۔ جو اپنی ذات، صفات اور افعال میں ایک ہے۔ (4) ﴿الْوَاحِدُ﴾ جس کا کوئی شریک نہیں۔ (5) ﴿الْقَهَّارُ﴾ نہایت زبردست ہے، جس کے غلبے، جس کے تسلط، قہر، اقتدار کے آگے سب عاجز ہیں۔ جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود نہ چاہے جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيَّ وَرَبِّكُمْ ۗ مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِعَصَبِهَا ۗ اِنَّ رَبِّيَّ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ پر میں نے بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، کوئی جان دار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا ہے، یقیناً میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ (ہود: 56) (6) عبادت تو اس اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے جو اکیلا ہے، سچا معبود ہے، جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، جس کے سوا کسی کے پاس کوئی کمال نہیں۔

﴿ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهَا اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ اِنِ اِنْكُمْ اِلَّا لِلّٰهِ اَمْرًا اِلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ۗ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَدِيْمُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (40)﴾

”تم اللہ تعالیٰ کے سوا محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔“ (40)

سوال 1: ﴿ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهَا اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ”تم اللہ تعالیٰ کے سوا محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهَا﴾ ”تم اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں عبادت کرتے“، یعنی اللہ واحد و قہار کے سوا تمہاری قوم جن جن کی پرستش کر رہی ہے۔ (2) ﴿ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ﴾ ”مگر چند ناموں کی جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں“، یعنی تم نے انہیں الہ کا معبود کا نام دے دیا ہے ورنہ حقیقت میں وہ الہ نہیں بت ہیں، نہ ان میں الوہیت کی کوئی صفت ہے، نہ ان کی کوئی حقیقت

عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (اس کے بعد) پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر چلتے رہے پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ بشرطیکہ وہ ایسا کریں (یعنی شریک نہ کریں) میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔“ (مسلم: 143)

﴿يُصَاحِبِ السَّجْنَ أَمَّا أَحَدُ كَمَا فَيَسْتَقِي رَبَّهُ حَسْرًا وَأَمَّا الْآخَرَ فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ الظُّلُمُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي

فِيهِ تَسْتَفْتِينَ (41)﴾

”اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! تم دونوں میں سے جو پہلا ہے تو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے سو وہ سولی دیا جائے گا، پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہو گیا۔“ (41)

سوال 1: ﴿يُصَاحِبِ السَّجْنَ أَمَّا أَحَدُ كَمَا فَيَسْتَقِي رَبَّهُ حَسْرًا﴾ ”اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! تم دونوں میں سے جو پہلا ہے تو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں کو تو حید اور اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہونے کی دعوت دی پھر خوابوں کی تعبیر بتانی شروع کی۔ (2) ”اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! تم دونوں میں سے جو پہلا ہے تو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا“ کہ جس نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں وہ قید سے آزاد ہو جائے گا اور اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔

سوال 2: ﴿وَأَمَّا الْآخَرَ فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ الظُّلُمُ مِنْ رَأْسِهِ﴾ ”اور جو دوسرا ہے سو وہ سولی دیا جائے گا، پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام نے دوسرے کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔ (2) ”اور جو دوسرا ہے سو وہ سولی دیا جائے گا، پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے“ جس نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ روٹیاں اٹھائے ہوئے ہے اور پرندے روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اس کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے اسے نوح نوح کر کھائیں گے۔

سوال 3: ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ﴾ ”جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہو گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہو گیا“، یعنی اب جو تعبیر بتائی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی اس کا فیصلہ ہو چکا۔ (2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خواب معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ بیان کی جائے پھر جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔ (مسند احمد)

﴿ وَقَالَ الَّذِي خَلَقَ أَكْهَنًا لَّيْلًا مِّنْهُمَا ذُكِّرْنِي فِي عُنْدِ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ

سِنِينَ ﴿42﴾

”یوسف نے اس شخص سے کہا جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے: ”اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔“ تو شیطان نے اسے اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا۔“ (42)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الَّذِي خَلَقَ أَكْهَنًا لَّيْلًا مِّنْهُمَا ذُكِّرْنِي فِي عُنْدِ رَبِّكَ ﴾ ”یوسف نے اس شخص سے کہا جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے: ”اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ ﴾ ”یوسف نے کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ (2) ﴿ الَّذِي خَلَقَ أَكْهَنًا لَّيْلًا مِّنْهُمَا ﴾ ”اس شخص سے جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے“ یعنی جس کے متعلق یوسف علیہ السلام کا یہ گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا یعنی وہ شخص جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اپنے آقا کو شراب پلا رہا ہے۔ (3) ﴿ اذْ كُنَّا فِي عُنْدِ رَبِّكَ ﴾ ”اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے دوسرے شخص سے الگ ہو کر کہا کہ بادشاہ سے میرا واقعہ بیان کرنا ہو سکتا ہے کہ اس کا دل نرم پڑ جائے اور مجھے قید خانے سے نکال دے۔

سوال 2: ﴿ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴾ ”تو شیطان نے اسے اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ ﴾ ”تو شیطان نے اسے اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا“ یعنی قید سے نجات پانے والے اس شخص کو شیطان نے اللہ تعالیٰ کا ذکر فراموش کرا دیا اور نیز ہر اس چیز کو فراموش کرا دیا جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا باعث تھی اور انہی چیزوں میں یوسف علیہ السلام کا تذکرہ بھی تھا جو اس چیز کے مستحق تھے کہ بہترین اور کامل ترین بھلائی کے ساتھ ان کو بدلہ دیا جاتا۔ یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کا حکم پورا ہو۔ (تفسیر سعدی: 2/1258) (2) ﴿ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴾ ”تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا“ یعنی بھلائے گئے مظلوم۔ (تفسیر مراغی: 9/411) (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر یوسف علیہ السلام یہ کلمہ نہ کہتے تو جیل خانے میں اتنی مدت نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے اپنی پریشانی کا ازالہ چاہا۔ (جامع البیان: 12/236) (4) سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، کے صبر اور کشادہ دلی پر بڑا تعجب ہے، جب ان کی طرف خواب کی تعبیر بیان کرنے کا پیغام بھیجا گیا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو تعبیر بیان کرنے سے پہلے (جیل سے) باہر نکل آتا۔ پس ان کے صبر اور فیاضی پر بڑا تعجب ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، ان کے پاس آدمی آیا تاکہ وہ باہر نکل آئیں لیکن وہ اس

وقت تک نہ نکلے، جب تک ان پر اپنے عذر کی وضاحت نہیں کر دی۔ اگر میں ہوتا تو دروازے کی طرف لپک پڑتا۔ اگر (اپنے آقا کے پاس میرا تذکرہ کرنا) (سورۃ یوسف: 42) والی بات نہ ہوتی تو وہ جیل میں نہ ٹھہرتے، جبکہ وہ غیر اللہ سے پریشانی کا ازالہ چاہ رہے تھے۔“ (صحیحہ: 1945)

رکوع نمبر: 6

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَلْمِي سَبْعَ بَقَرَاتٍ سَوَانٍ يَا كَاهِنُونَ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُئِلَتْ خُبْرًا وَأَخْرِي لَيْسَتْ لِيَأَيُّهَا الْمَلَأُ

أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ﴾ (43)

”اور بادشاہ نے کہا: ”بلاشبہ میں (خواب) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی کھارہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں، اے سردارو! مجھے تم میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو۔“ (43)

سوال 1: ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَلْمِي سَبْعَ بَقَرَاتٍ سَوَانٍ يَا كَاهِنُونَ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُئِلَتْ خُبْرًا وَأَخْرِي لَيْسَتْ لِيَأَيُّهَا الْمَلَأُ﴾ اور بادشاہ نے کہا: ”بلاشبہ میں (خواب) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی کھارہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ﴾ اور بادشاہ نے کہا، یعنی مصر کے بادشاہ نے کہا۔ (2) ﴿إِنِّي أَلْمِي﴾ بلاشبہ میں (خواب) دیکھتا ہوں، یعنی میں خواب میں دیکھتا ہوں۔ (3) ﴿سَبْعٌ بَقَرَاتٍ سَوَانٍ يَا كَاهِنُونَ سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ ”کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی کھارہی ہیں“ یعنی عجیب بات ہے کہ جن کی قوت ختم ہو رہی ہے، جو لاغر اور کمزور ہیں وہ ان کو کھارہی ہیں جو مضبوط اور طاقت ور ہیں۔ (4) ﴿وَسَبْعٌ سُئِلَتْ خُبْرًا وَأَخْرِي لَيْسَتْ لِي﴾ اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں، یعنی عجیب معاملہ ہے کہ سات سوکھی بالیاں ہیں جو کمزور ہیں، جن کی قوت ختم ہو چکی ہے وہ سات ہری بالیوں کو جو مضبوط ہیں، جن میں قوت ہے ان کو کھارہی ہیں۔

سوال 2: ﴿يَأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ﴾ اے سردارو! مجھے تم میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَأَيُّهَا الْمَلَأُ﴾ اے سردارو! بادشاہ نے بڑے بڑے سرداروں اور درباریوں کو جو اس کی سلطنت کے اہم افراد تھے، ان کو مخاطب کر کے کہا۔ (2) ﴿أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ﴾ مجھے تم میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ، یعنی مجھے اس عجیب و غریب خواب کی تعبیر بتاؤ اس کی کیا تاویل ہو سکتی ہے؟ (3) ﴿إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ﴾ ”اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو“ اگر تم یہ بتا سکتے ہو کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ (4) جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے نکالنا چاہا تو بادشاہ کو ایک عجیب و غریب خواب دکھایا۔ جس کی تعبیر تمام قوم

کو متاثر کرتی تھی تاکہ سیدنا یوسف علیہ السلام اس خواب کی تعبیر بتائیں اور یوں ان کا علم و فضل ظاہر ہوا اور دین و دنیا میں ان کو رفعت حاصل ہو۔ اس میں تقدیر کی مناسبت یہ ہے کہ بادشاہ نے جو رعایا کے تمام امور کا ذمہ دار ہوتا ہے، یہ خواب دیکھا، کیونکہ قوم کے مصالح کا تعلق بادشاہ سے ہوتا ہے۔ اس بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس نے بادشاہ کو خوف زدہ کر دیا۔ اس نے اپنی قوم کے اہل علم اور اصحاب الرائے کو اکٹھا کیا اور ان سے مشورہ کیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1259) (5) بادشاہ کا خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے رحمت اور خوش خبری بن گیا۔ (تفسیر منیر: 6/615) (6) اللہ تعالیٰ نے اس مختصر خواب کو عزت کے ساتھ اپنے نبی کی رہائی کا سبب بنا دیا۔ (مختصر ابن کثیر: 1/882)

﴿قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمِنَا﴾ (44)

”انہوں نے کہا: ”پریشان باتیں ہیں خوابوں کی اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں۔“ (44)

سوال 1: ﴿قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمِنَا﴾ ”انہوں نے کہا: ”پریشان باتیں ہیں خوابوں کی اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ﴾ ”انہوں نے کہا: ”پریشان باتیں ہیں خوابوں کی“ ﴿أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ﴾ پریشان خواب جس کی کچھ تعبیر نہ دی جاسکے اصل میں اضغاث ضغث کی جمع ہے یعنی ایک مٹھی بھر گھاس تنکے وغیرہ اس سے ہے (سورہ ص میں) ﴿حُلْدٍ يَبِيدُكَ ضَغْثًا﴾ یعنی اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھالے اور ﴿أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ﴾ میں ضغث کے یہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ پریشان خواب مراد ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) ابو عبیدہ نے کہا: اضغاث سے مراد جس خواب کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ (قرطبی: 5/139) (3) شاہ مصر نے اپنی سلطنت کے کاہنوں، نجومیوں اور بڑے بڑے لوگوں سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ پریشان خواب ہیں جس کی کوئی تعبیر نہیں۔ یہ ان کی اس خواب کے بارے میں آخری رائے تھی۔ (4) ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمِنَا﴾ ”اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں“، یعنی ہم تو صرف خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں۔ رہے پریشان خواب جو شیطانی وسوسوں اور نفس کی خواہشات پر مبنی ہوتے ہیں تو ہم ان کی تفسیر نہیں جانتے۔ پس انہوں نے جہالت، حتمی رائے کہ یہ پریشان خواب ہیں اور خود پسندی کو ایک جگہ جمع کر دیا، کیونکہ انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم اس خواب کی تعبیر نہیں جانتے اور یہ ایسا رویہ ہے جو اہل دین اور عقل مندوں کو زیب نہیں دیتا، نیز یہ سیدنا یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی ہے، کیونکہ اگر شروع ہی سے، بادشاہ کے اعیان سلطنت اور ان کے علماء کے سامنے یہ خواب پیش ہونے اور ان کے اس کی تعبیر بتانے سے عاجز ہوئے بغیر، جناب یوسف علیہ السلام نے اس خواب بتائی ہوتی تو ان کی تعبیر اتنی وقعت نہ ہوتی۔ مگر جب بادشاہ نے یہ خواب علماء اور اعیان سلطنت کے سامنے پیش کیا اور وہ اس کی تعبیر بتانے سے عاجز آگئے اور بادشاہ کو خواب نے بہت زیادہ فکر میں ڈال دیا تھا، پس جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر بتادی تو ان کے ہاں سیدنا یوسف علیہ السلام کی قدر اور

وقعت بہت بڑھ گئی۔ یہ اس واقعہ کی نظیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر علم کے ذریعے سے جناب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سوال کیا، وہ جواب نہ دے سکے، پھر سیدنا آدم علیہ السلام سے سوال کیا۔ انہوں نے فرشتوں کو ہر چیز کا نام بتا دیا اور اس طرح فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہو گئی۔ اسی طرح قیامت کے روز، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہترین ہستی، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت ظاہر ہوگی، اللہ تعالیٰ مخلوق کو الہام کرے گا اور تمام مخلوق جناب آدم علیہ السلام، پھر جناب نوح علیہ السلام، پھر جناب ابراہیم علیہ السلام، پھر جناب موسیٰ علیہ السلام اور پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کی درخواست کرے گی مگر وہ معذرت کر دیں گے، پھر تمام مخلوق نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی استدعا کرے گی جسے قبول کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے ”ہاں میں شفاعت کروں گا، میں ہی اس کا مستحق ہوں“ اور یوں آپ تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے اور اس طرح وہ اس مقام محمود پر فائز ہوں گے جس پر اولین و آخرین رشک کریں گے۔ پاک ہے وہ ذات جس کا لطف و کرم مخفی ہے، اور وہ اپنے اولیاء و اصفیاء اور اپنے خاص بندوں کو نہایت دقیق طریقے سے اپنے فضل و احسان سے نوازتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1260)

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ نَجَّوْنَهُمْ إِذَا كَرِهَتْ أُمَّةٌ آتَيْنَهُمْ بِأُيُوبَ فَأَسْرِتُ بِهِمْ فَمَنْسُورُونَ (45) ﴾

”اور ان دو میں سے جس نے رہائی پائی تھی اور اسے ایک مدت بعد یاد آیا، اس نے کہا: ”میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا سو مجھے بھیج دو۔“ (45) سوال: ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ نَجَّوْنَهُمْ إِذَا كَرِهَتْ أُمَّةٌ آتَيْنَهُمْ بِأُيُوبَ فَأَسْرِتُ بِهِمْ فَمَنْسُورُونَ ﴾ ”اور ان دو میں سے جس نے رہائی پائی تھی اور اسے ایک مدت بعد یاد آیا، اس نے کہا: ”میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا سو مجھے بھیج دو“ کی وضاحت کریں؟ جواب: (1) ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ نَجَّوْنَهُمْ إِذَا كَرِهَتْ أُمَّةٌ آتَيْنَهُمْ بِأُيُوبَ فَأَسْرِتُ بِهِمْ فَمَنْسُورُونَ ﴾ ”اور ان دو میں سے جس نے رہائی پائی تھی“ شاہ مصر نے جب درباریوں سے خواب کی تعبیر پوچھی تو ان میں سے ایک قید خانے کا قیدی بھی تھا جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ شراب پوچھ رہا ہے۔ (2) ﴿ وَإِذَا كَرِهَتْ أُمَّةٌ ﴾ ”اور اسے ایک مدت بعد یاد آیا“ اس شخص کو خواب یاد آ گیا اور یہ بھی کہ انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی تھی اور انہوں نے جو تعبیر بتائی تھی عملاً وہ وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ (3) اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ وہ آقا کے پاس ان کا تذکرہ کرے۔ (4) یہ مدت کئی سال کی تھی اور یہ تقریباً سات سال کا عرصہ تھا۔ (ابیر التفاسیر: 681,680) (5) ﴿ آتَيْنَهُمْ بِأُيُوبَ فَأَسْرِتُ بِهِمْ فَمَنْسُورُونَ ﴾ ”میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا سو مجھے بھیج دو“ اس شخص نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجے کا تقاضا کیا تا کہ وہ تعبیر پوچھ سکے اور انہوں نے اسے بھیج دیا۔

﴿ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَمْعِ بَقَرَاتٍ سَوَانَ يَأْكُلُهُنَّ سَنَانِجٌ سَمِعَ عَجَائٍ وَسَمِعَ سُؤْلَاتٍ حُضْرٍ وَأَخْرَجَ لَيْسَتْ لَعَلَّحٌ

أَمْ حَرَجٌ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ (46) ﴾

”یوسف! اے نہایت سچے! ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی (گائیں) کھا رہی ہیں اور سات

سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں تاکہ میں ان کی طرف واپس جاؤں تاکہ وہ جان لیں۔“ (46)

سوال: ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَمْعِ بَقَرَاتِ سَانَ يَا كَاهِنُ سَمِعَ عَجَافٍ وَسَمِعَ سُئِلَتْ حُضْرًا وَآخَرَ لِيَسْتَلْعَلَّ أَمْرًا جَمَّ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”یوسف! اے نہایت سچے! ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی (گائیں) کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں تاکہ میں ان کی طرف واپس جاؤں تاکہ وہ جان لیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اب قید خانے کا ساتھی یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ (2) ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ ”یوسف! اے نہایت سچے!“ یعنی اے یوسف اے علم میں بہت سچے! اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو صدیق ان کی صداقت کے اعلیٰ مرتبہ کی وجہ سے کہا تھا اور یہ صدق کا انتہائی مقام ہے جیسے سیدنا ابو بکر کونبی ﷺ نے صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب دیا۔ اور اسی وجہ سے رب العزت نے مومنوں کا نام بھی صدیق رکھا۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ بہت سچے ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دینے والے ہیں۔ (الحدید: 19) (3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو سچا لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ برائی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (مسلم: 2607، بخاری: 6094) (4) یعنی اپنے اتوال و افعال میں بہت ہی سچے شخص۔ (تفسیر سعدی: 1260/2، 1261) (5) ﴿أَفْتِنَا فِي سَمْعِ بَقَرَاتِ سَانَ يَا كَاهِنُ سَمِعَ عَجَافٍ وَسَمِعَ سُئِلَتْ حُضْرًا وَآخَرَ لِيَسْتَلْعَلَّ أَمْرًا جَمَّ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی (گائیں) کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات سوکھی ہیں تاکہ میں ان کی طرف واپس جاؤں تاکہ وہ جان لیں“ وہ شخص بادشاہ کا خواب بتاتا ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام تعبیر دیتے ہیں وہ اس کی بھول پر اسے کچھ نہیں کہتے، نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ رہائی کے بعد تعبیر بتا دوں گا۔ (6) کیونکہ اس خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ جناب یوسف علیہ السلام نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ شادابی کے سالوں کے دوران قحط سالی کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں کیسے تیاری کرنی چاہیے اور کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں، چنانچہ فرمایا: ﴿فِي سُئِلَتْ﴾ کیونکہ اس سے غلہ زیادہ عرصہ تک باقی رہ سکتا ہے اور تلف ہونے کا امکان بعید تر ہوتا ہے۔ ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَكْتُمُونَ﴾ شادابی کے ان دنوں میں اپنی خوراک کا اس طرح انتظام کرو کہ کم سے کم خوراک استعمال کرو، تاکہ زیادہ سے زیادہ خوراک کا ذخیرہ کر سکو، جس کا فائدہ اور وقعت زیادہ ہوگی۔ (تفسیر سعدی: 1261/2) (7) خواب کی تعبیر یہ تھی کہ سات موٹی تازی گایوں اور سات ہری بالیوں سے سات آئندہ سالوں کی سرسبزی و شادابی کی طرف اشارہ ہے اور سات لاغر اور کمزور گایوں اور سات سوکھی بالیوں سے شادابی کے بعد آنے والی خشک سالی

اور قحط کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس تعبیر کا پہلو غالباً یہ ہے۔ اللہ اعلم۔۔ چونکہ کھیتی کا دار و مدار شادابی اور خشک سالی پر ہے، جب شادابی آتی ہے تو کھیتوں اور فصلوں کو طاقت ملتی ہے، وہ خوش نما نظر آتی ہیں، غلے کی بہتات ہوتی ہے، قحط سالی میں کھیتوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ گیہوں کی بالیاں سب سے اچھی اور سب سے بڑی خوراک لئے ہوئے ہوتی ہیں، وجود مناسب کی بنا پر سیدنا یوسف علیہ السلام نے تعبیر بیان کی۔ (تفسیر سعدی: 1261/2)

﴿ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَكْتُمُونَ (47) ﴾

”اس نے کہا: ”تم سات سال تک لگا تار کھیتی باڑی کرو گے تو جو فصل تم کاٹو تو اسے بالیوں میں ہی رہنے دو مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے۔“

(47)

سوال: ﴿ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَكْتُمُونَ ﴾ ”اس نے کہا: ”تم سات سال تک لگا تار کھیتی باڑی کرو گے تو جو فصل تم کاٹو تو اسے بالیوں میں ہی رہنے دو مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا ﴾ ”اس نے کہا: ”تم سات سال تک لگا تار کھیتی باڑی کرو گے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے خو اب کی تعبیر بتانے کے ساتھ قحط دور کرنے کی تدبیر بھی بتادی جس پر عمل پیرا ہونے سے وہ لوگ قحط سے بچ سکتے تھے۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سالوں میں جتنا غلہ اگاؤ گے۔ (3) ﴿ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ ﴾ ”تو جو فصل تم کاٹو تو اسے بالیوں میں ہی رہنے دو“ اپنی ضرورت کے مطابق بالیوں سے الگ کر کے باقی غلے کو بالیوں میں ہی محفوظ کر لینا تاکہ ضرورت سے زیادہ اناج کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکے۔ (4) بالیوں میں رکھنے کی وجہ سے غلہ زیادہ عرصے تک باقی رکھا جاسکتا ہے اور اس کے ضائع ہونے کا امکان کم ہوتا ہے۔ (5) ﴿ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَكْتُمُونَ ﴾ ”مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ گے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے نصیحت کی کہ استعمال کے لیے بھی کم سے کم نکالو تاکہ زیادہ غلے سے قحط کے دنوں میں فائدہ اٹھاسکو جو کہ لگا تار سات سال ہیں۔ یہی سات سال دہلی گائے ہیں جو موٹی گایوں کو کھا جائیں گی کیونکہ جو کچھ آپ لوگ ان سالوں میں جمع کرو گے وہ ختم ہو جائے گا۔

﴿ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادًا أَكْلُنَ مَا كَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْتَسِنُونَ (48) ﴾

”پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا تھا، اس تھوڑی سی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ رکھو گے۔“ (48)

سوال: ﴿ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادًا أَكْلُنَ مَا كَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْتَسِنُونَ ﴾ ”پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا تھا، اس تھوڑی سی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ رکھو گے“ کی

وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ﴾ ”پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے“، یعنی ان سرسبز و شاداب سات سالوں کے بعد۔
 (2) ﴿سَمِعَ شِدَادٌ﴾ ”سات سخت سال“ خشک سالی کے سات سال آئیں گے۔ (3) ﴿يَأْكُلُنَ مَا قَدَّمَتْهُنَّ﴾ ”جو سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا تھا“ ان سالوں میں کچھ بھی نہیں پیدا ہوگا بلکہ وہ سال وہ سب کچھ کھا جائیں گے جو آپ نے ذخیرہ کیا ہوگا خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ (4) ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْتَسِبُونَ﴾ ”اس تھوڑی سی مقدار کے سوا جسے تم محفوظ رکھو گے“، یعنی وہ قلیل مقدار رہ جائے گی جو تم اگلی فصل کے لیے بچ کے طور پر رکھو گے۔ (5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ نے ان کے حق میں بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا سا قحط نازل فرما۔ چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ کوئی چیز نہیں ملتی تھی اور وہ ہڈیوں کے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لوگوں کی اس وقت یہ کیفیت تھی کہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کے دیکھتے تھے تو بھوک و پیاس کی شدت سے دھواں سا نظر آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”تو آپ انتظار کیجئے اس روز کا جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو“ اور فرمایا ”بے شک ہم اس عذاب کو ہٹالیں گے اور تم بھی (اپنی پہلی حالت پر) لوٹ آؤ گے۔“ (صحیح بخاری: 4693) (6) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عذاب سے یہی قحط کا عذاب مراد ہے کیونکہ آخرت کا عذاب کافروں سے ٹلنے والا نہیں ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُعَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِضُونَ﴾ (49)

”پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے۔“ (49)

سوال: ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُعَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِضُونَ﴾ ”پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ﴾ ”پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ قحط کے سات سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی۔ (2) ﴿فِيهِ يُعَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِضُونَ﴾ ”جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے“ اس سال بہت کثرت سے بارشیں ہوں گی، بہت غلہ، زیتون اور انگور پیدا ہوں گے جو ان کی ضروریات سے زیادہ ہوں گے حتیٰ کہ وہ زیتون اور انگوروں سے تیل اور رس نچوڑیں گے۔ اس سال میں جانور بھی خوب دودھ دیں گے۔

رکوع نمبر: 7

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۗ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ آيِدِيَهُنَّ ۗ إِنَّ رَبِّي

بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿50﴾

” اور بادشاہ نے کہا: ”اسے میرے پاس لاؤ!“ پھر جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: ”تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ سواس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟ یقیناً میرا رب ان کے فریب کا خوب جاننے والا ہے۔“ (50)

سوال: ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۗ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ آيِدِيَهُنَّ ۗ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴾ ” اور بادشاہ نے کہا: ”اسے میرے پاس لاؤ!“ پھر جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: ”تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ سواس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟ یقیناً میرا رب ان کے فریب کا خوب جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ” اور بادشاہ نے کہا: ”اسے میرے پاس لاؤ!“ عزیز مصر نے عجیب خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا یوسف علیہ السلام کی زبانی سنی تو ان کی فضیلت اور علم تعبیر میں ان کی معلومات اور مہارت، ان کا رعایا کی خیر خواہی کا جذبہ اسے متاثر کر گیا۔ بے ساختہ بادشاہ نے کہا: اسے قید خانے سے نکال کر میرے پاس لاؤ۔ ایسے شخص کی تو بادشاہ کو ضرورت ہے جو ایسے سخت حالات میں مخلصانہ مشورے دے۔

(2) ﴿ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ ﴾ ” پھر جب قاصد اس کے پاس آیا“ پھر جب شاہ مصر کا قاصد سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس آیا۔ (3) ﴿ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ ﴾ ” تو اس نے کہا: ”تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ“ بادشاہ کے بلاوے پر سیدنا یوسف علیہ السلام نے قاصد سے کہا کہ آپ واپس جاؤ اور میرا پیغام پہنچاؤ۔ (4) ﴿ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ آيِدِيَهُنَّ ﴾ ” سواس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنا مطالبہ سامنے رکھا کہ پہلے اس الزام کی تحقیق کریں جس کی پاداش میں جیل بھیجا گیا جب تک اس سے بری نہ ہو جاؤں، جب تک لوگوں پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مجھے جرم کی وجہ سے نہیں ظلم سے قید کیا گیا اس وقت تک قید خانے سے باہر نہیں آؤں گا۔ ان عورتوں کو بلوا کر تحقیق کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ ان سے پوچھا جائے کہ آخر سچ کیا تھا؟ اور یوسف علیہ السلام کا قصور کیا تھا؟ (5) یوسف علیہ السلام نے قاصد کو تحقیق کروانے کا پیغام دے کر بھیجا یہ ان کی عقل، صبر اور دلائل کی پختگی کا ثبوت ہے۔ (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں (محمد ﷺ) اتنا عرصہ جیل میں ٹھہرتا جتنا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام ٹھہرے تھے اور میرے پاس بلانے کے لیے داعی آتا تو میں (فوراً) اس کی بات قبول کرتا اور جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: ﴿ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ آيِدِيَهُنَّ ۗ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴾ ” سواس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے

جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیئے تھے؟“ یقیناً میرا رب ان کے مکر سے واقف ہے۔ (یوسف: 50) اور اللہ تعالیٰ سیدنا لوط علیہ السلام پر رحمت کرے، وہ تو کسی مضبوط آسرے کا سہارا لینا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أُوَدِّعُ إِلَىٰ مُرْسِنِ سُدِيِّ﴾ ”کاش تمہارے مقابلے کی میرے پاس قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا!“ (ہود: 80) سوان کے بعد جب بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا تو اسے اس کی قوم کے لوگوں کے انبوہ کثیر میں بھیجا۔“ (الصحیحہ: 1867) (7) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، کے صبر اور کشادہ دلی پر بڑا تعجب ہے، جب ان کی طرف خواب کی تعبیر بیان کرنے کا پیغام بھیجا گیا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو تعبیر بیان کرنے سے پہلے (جیل سے) باہر نکل آتا۔ پس ان کے صبر اور فیاضی پر بڑا تعجب ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے، ان کے پاس آدمی آیا تا کہ وہ باہر نکل آئیں لیکن وہ اس وقت تک نہ نکلے، جب تک ان پر اپنے عذر کی وضاحت نہیں کر دی۔ اگر میں ہوتا تو دروازے کی طرف لپک پڑتا۔ اگر ”اپنے آقا کے پاس میرا تذکرہ کرنا“ (سورہ یوسف: 42) والی بات نہ ہوتی تو وہ جیل میں نہ ٹھہرتے، جبکہ وہ غیر اللہ سے پریشانی کا ازالہ چاہ رہے تھے۔“ (صحیحہ: 1945) (8) ﴿إِنَّ رَبِّي يَكْفِيهِمْ عَلِيمٌ﴾ ”یقیناً میرا رب ان کے فریب کا خوب جاننے والا ہے،“ یعنی میرا رب تو ان کے فریب سے واقف ہے۔ وہ ضرور مجھے اس حالت سے نکال دے گا۔

﴿قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ لَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ ۗ قَالَتْ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ اِنَّكَ رَاحِلٌ ۗ اِنْ رَاوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (51)﴾

﴿قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ لَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ ۗ قَالَتْ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ اِنَّكَ رَاحِلٌ ۗ اِنْ رَاوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (51)﴾

”بادشاہ نے کہا: ”تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکانے کی کوشش کی تھی“ انہوں نے کہا: ”اللہ کی پناہ! اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی۔“ عزیز کی بیوی نے کہا: ”اب حق کھل گیا ہے، میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی۔ اور بلاشبہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے۔“ (51)

سوال 1: ﴿قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ لَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ ۗ قَالَتْ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ اِنَّكَ رَاحِلٌ ۗ اِنْ رَاوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (51)﴾ ”بادشاہ نے کہا: ”تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکانے کی کوشش کی تھی“ انہوں نے کہا: ”اللہ کی پناہ! اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”بادشاہ نے کہا“ شاہ مصر نے عزیز کی بیوی اور ان تمام عورتوں کو بلوایا اور ان سے پوچھا۔ (2) ﴿مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْتَنِّي يُوْسُفَ عَن نَّفْسِهِ﴾ ”تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے بہکانے کی کوشش کی تھی“، یعنی اس معاملے کی کیا حقیقت ہے جب تم نے یوسف علیہ السلام کو ورغلا نے کی کوشش کی تھی کیا تم لوگوں نے اس میں کوئی برائی دیکھی تھی؟ (3) ﴿لَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا

عَلَيْنَا عَلَيْهِمْ سُوءٌ﴾ ” انہوں نے کہا: ” اللہ کی پناہ! اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی،“ عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اقرار کیا اور کہا حاش للہ۔ (4) حاش حاشا (الف کے ساتھ) اس کا معنی پاکی بیان کرنا اور استثناء کرنا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) (5) ﴿مَا عَلَيْنَا عَلَيْهِمْ سُوءٌ﴾ ” اس میں ہم نے کوئی بھی برائی معلوم نہیں کی،“ انہوں نے کہا ہم نے اس میں کوئی برائی، کوئی عیب نہیں دیکھا۔ وہ الزام سے بری اور بے گناہ ہیں۔

سوال 2: ﴿قَالَتْ امْرَأَاتُ الْعَزِيزِ اِنَّنِ حَصَصَ الْحَقُّ اَنَا مَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ ” عزیز کی بیوی نے کہا: ” اب حق کھل گیا ہے، میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ امْرَأَاتُ الْعَزِيزِ اِنَّنِ حَصَصَ الْحَقُّ﴾ ” عزیز کی بیوی نے کہا: ” اب حق کھل گیا ہے، میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں جب عورتوں نے گواہی دی تو عزیز مصر کی بیوی کے الزام کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ (2) عزیز کی بیوی نے عورتوں کی گواہی سن کر کہا۔ اب صحیح بات ظاہر ہو گئی ہے۔ (3) ﴿اَنَا مَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ ” میں نے ہی اسے بہکانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے،“ ہم ہی نے انہیں ان کی مرضی کے خلاف بہکانا چاہا اور وہ تہمت لگائی جو ان کی قید کا سبب بنی اور یوسف علیہ السلام نے جو کچھ بتایا تھا وہ سچ تھا۔ (4) یعنی یوسف علیہ السلام اپنے اقوال اور اپنی براءت کے دعوے میں سچے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1263)

﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنْتُمْ اَخْتُهُ بِالْعَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخِٰٓٔنِيْنَ (52)﴾

” یہ اس لیے ہے کہ عزیز جان لے کہ یقیناً میں نے عدم موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب چلنے نہیں دیتا۔“ (52)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنْتُمْ اَخْتُهُ بِالْعَيْبِ﴾ ” یہ اس لیے ہے کہ عزیز جان لے کہ یقیناً میں نے عدم موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ ” یہ“ عزیز مصر کی بیوی نے اس موقع پر کہا کہ حق یہ ہے کہ میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ (2) ﴿لِيَعْلَمَ اَنْتُمْ اَخْتُهُ بِالْعَيْبِ﴾ ” اس لیے ہے کہ عزیز جان لے کہ یقیناً میں نے عدم موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی“ یعنی میں نے یہ اقرار اس لیے کیا ہے تاکہ میرا شوہر جان لے کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش ضرور کی مگر اس کے پیچھے اس کی عدم موجودگی میں اس کے ساتھ خیانت نہیں کی۔ میں نے عزیز مصر کے بستر کو خراب نہیں کیا۔ (3) اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یوسف علیہ السلام ہوں، یعنی تاکہ یوسف علیہ السلام جان لے کہ وہ سچا ہے اور میں نے ہی اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ جب وہ میرے پاس موجود نہیں تھا تو میں

نے اس کے ساتھ خیانت نہیں کی۔ (تفسیر سعدی: 2/1263)

سوال 2: ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾ ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب چلنے نہیں دیتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب چلنے نہیں دیتا“ یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کار کی چال کو چلنے نہیں دیتے اور نہ اس کی کوشش کے لیے راہ نمائی کرتے ہیں۔ (الحجر راجعہ: 3/253) (2) یہ لازمی امر ہے کہ خائن کی خیانت اور اس کی سازش کا وبال آخر کار اسی کی طرف پلٹے گا اور حقیقت حال ضرور واضح ہوگی۔ (تفسیر سعدی: 2/1263)

﴿وَمَا أْبْرِي نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۗ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (53)

”اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بلاشبہ نفس تو یقیناً برائی کا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے، یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ (53)

سوال 1: ﴿وَمَا أْبْرِي نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ ”اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بلاشبہ نفس تو یقیناً برائی کا حکم دینے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أْبْرِي نَفْسِي﴾ ”اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی“ عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا کہ میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتی۔ میں نے برائی کا ارادہ کیا، میں نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی۔ میں نے ان کے ساتھ برائی کی شدید خواہش رکھی میں نے ہی سازشیں کیں اور انہیں قید خانے بھجوا دیا۔ ہاں وہ میں تھی جس نے یوسف علیہ السلام کی پاک زندگی کو داغ دار کرنے کی کوشش کی، جس نے ان کی متاع گراں بہا، عمر عزیز کے قیمتی سال قید خانے کی نذر کر دیے۔ میں اپنے آپ کو بری نہیں کہتی۔ (2) اس کلام کا عزیز کی بیوی کا کلام ہونا ہی زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ اوپر سے انہی کا کلام چلا آ رہا ہے۔ (ابن کثیر: 3/413) (3) ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ ”بلاشبہ نفس تو یقیناً برائی کا حکم دینے والا ہے“ یعنی انسانی نفس برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ (الایرا التفاسیر: 683) (4) نفس امارہ سے مراد وہ نفس ہے جو شہوات کی طرف مائل رہتا ہے۔ (سمرقندی: 2/205) (5) یعنی نفس انسان کو بہت کثرت سے برائی، یعنی بے حیائی اور دیگر تمام گناہوں کا حکم دیتا ہے۔ نفس شیطان کی سواری ہے اور شیطان نفس کے راستے سے انسان میں داخل ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1264) (6) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سوال فرمایا کہ ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اس کا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلاء اور مصیبت میں ڈال دے، اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا بنگا رکھو تو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ برا تو دنیا میں کوئی ساتھی ہو ہی نہیں سکتا،

آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے۔ (قرطبی) (7) نفس بنیادی طور پر انسان کے اندر دو قوتوں کو لیے ہوئے ہوتا ہے ایک غضب یعنی غصہ اور دوسری شہوت یعنی خواہشات۔ یہ دو چیزیں نفس کے اندر ہوتی ہیں۔ اگر عموماً دیکھیں تو نفس منفی انداز میں استعمال ہوتا ہے جیسے نفس امارہ۔ اگر عام طور پر نفس کے لفظ کو استعمال کریں کہ میرا نفس مجھے یہ کہتا ہے تو یہ نفس مثبت انداز میں استعمال نہیں ہوتا حالانکہ اس کا مثبت استعمال بھی ہے جیسے نفس مطمئنہ۔ اطمینان والی جان کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ بھی نفس ہی کا ہے لیکن دو قوتیں جو کام کرتی ہیں غضب اور شہوت کی، وہ نفس کی علامتیں ہیں۔ ان چیزوں کا استعمال نفس کو یا تو امارہ بنائے گا یا اُمہ یا مطمئنہ۔ وہ دو قوتیں کون سی ہیں؟ قوت غضب اور قوت شہوت۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ نفس بنیادی طور پر ان دو خصوصیات کی وجہ سے اپنے کمال کو بھی پہنچتا ہے اور اس کو زوال بھی آتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھیں کہ ایک انسان کے دل پر شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسے غصے میں آتا ہے جس کو وہ کنٹرول نہیں کر سکتا۔ اس غصے پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے اس سے برائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنے نفس کو ابلیس کے ہاتھ میں دے دیا، سو نپ دیا۔ اب برائی کا حکم ہے جو اس کی جانب سے آ رہا ہے کیونکہ انسان یا تو اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر سکتا ہے یا شیطان کے۔ جب انسان کے اندر غضب کی آگ بھڑکتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ شیطان کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتا ہے جس سے وہ کھیلتا ہے اور ایسے ہی خواہشات کی محبت کا معاملہ ہے۔ انسان کی خواہشات سے شیطان کھیلتا ہے اور خواہشات کی وجہ سے اسے رب کے راستے سے دور لے جاتا ہے۔ نفس کی تین اقسام ہیں: نفس امارہ، نفس اُمہ اور نفس مطمئنہ۔ نفس امارہ سرکش نفس ہے جو اپنے غضب کو، شہوت کو کنٹرول نہیں کرتا اور اُمہ وہ ہے جو غضب اور شہوت کی قوتوں کو کبھی صحیح استعمال کر لیتا ہے، کبھی غلط اور جب غلط استعمال ہوتا ہے تو اس پر پچھتاوا ہوتا ہے۔ جب صحیح جگہ پر استعمال نہیں ہوتا تب بھی اسے پچھتاوا ہوتا ہے۔ (نفس، روح، قلب، عقل)

سوال 2: نفس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: نفس انسانی کی تین قسمیں ہیں: (1) نفس مطمئنہ: اطمینان والی جان، جو نفس اپنی اصل پر لوٹ آئے، مطمئن ہو جائے۔ (2) نفس اُمہ: غلطی کرنے والا نفس، جو نیکی کرنا چاہتا ہے لیکن غلطی کر بیٹھتا ہے اور پھر پچھتاوا ہے۔ حسرت، ندامت اور افسوس اس نفس کا خاصہ ہے۔ یہ ملامت کرنے والا نفس ہے۔ (3) نفس امارہ: سرکش کا حکم دینے والا نفس، فطرت کے بالکل خلاف، انسانیت سے بالکل متضاد دوسرے کنارے پر جا کے کھڑا ہونے والا، اپنے رب کے حکم سے سرتابی کرنے والا۔ اگر لفظ سرکش کو دیکھیں تو ”کش“ کا مطلب ہے ”اٹھانا“ اور سرکش وہ ہے جو اپنے رب کے سامنے سرتابا لیتا ہے۔ اگر ہم اسے نفس امارہ کہیں تو یہ وہ نفس ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے، جہاں سے ہر وقت وسوسے اور شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ انسان ہر وقت ایک مسئلے، ایک آزمائش کا شکار رہتا ہے اور اس کا دل رب کی بات پر نہیں ٹھہرتا۔ نفس کی تین اقسام ہیں۔ یہ بنیادی طور پر ایک سفر ہے۔ یہ سفر کیسے جاری رہتا ہے؟ ایک **cyclical process** ہے۔

ایک طرف تو انسان نفس امارہ سے نفس لؤ امہ اور نفس مطمئنہ تک کا سفر کر سکتا ہے اور دوسری طرف نفس مطمئنہ سے نفس لؤ امہ اور نفس امارہ کا سفر کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان کے اندر کی قوت ہے۔ اگر تقویٰ کی قوت بڑھتی جائے تو یہ سفر نفس مطمئنہ کی جانب ہے اور اگر فجور کی قوت بڑھتی جائے تو اس کا مطلب ہے تقویٰ کی قوت کمزور پڑ گئی۔ فجور کی قوت بنیادی طور پر انسان کے اندر سرکشی کا جذبہ ابھارتی ہے اور انسان سے نفس امارہ کی طرف کا سفر کرواتا ہے۔ (ملا مت سے اطمینان تک)

سوال 3: نفس امارہ، نفس لؤ امہ اور نفس مطمئنہ کے کیا کام ہیں؟

جواب: (1) نفس امارہ: نفس امارہ سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیتا ہے۔ اس کا بنیادی کام فسوق ہے۔ نفس امارہ کی خصوصیات میں سے دوسری چیز شرک ہے۔ (الاساس: 2665, 2666/5) (2) نفس لؤ امہ: اس شخص کا نفس نفس لؤ امہ ہو سکتا ہے اور ملامت کر سکتا ہے جو اپنے معاملات کو کم از کم اللہ تعالیٰ کے سپرد ضرور کر دے۔ اس نے اسلام ضرور قبول کیا ہوا ہو، اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا سیکھ لے، اس کے اندر کی دنیا، اندر کے معاملات اور اندر کے احساسات یہ ہوں کہ میرا کوئی معاملہ میری وجہ سے نہیں بلکہ میرے رب کی وجہ سے سدھرے گا اس لئے میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ ﴿لَا أُقْسِمُ بِمَوْزَنِ الْقَبِيَّةِ ۚ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ الْكَوَامَةِ ۗ﴾ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی! اور میں قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی! (القبیۃ: 1، 2) (3) نفس مطمئنہ: نفس مطمئنہ کا معاملہ انسان کے اندر کب شروع ہوتا ہے؟ اطمینان والی جان کیا کام کرتی ہے کہ اس کے اندر اطمینان اترتا ہے؟ احسان۔ جو انسان رب کی طرف نظریں لگانا سیکھ لے اور رب کی نظروں کو محسوس کرنا شروع کر لے یعنی امید اور خوف کے بین بین رہے تو اس کا نفس مطمئن ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ رب کی رضا پر راضی رہنا شروع ہو جاتا ہے۔ رب کے خوف سے اس کے ناپسندیدہ کام چھوڑنے شروع کر دیتا ہے۔ یہ سفر ہے وصول الی اللہ کا، اطمینان کا، فطرت کا۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ۖ ائِمِّي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ۗ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتٍ ۖ﴾ اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، راضی ہونے والی، پسند کی ہوئی ہو۔ چنانچہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۃ انفجر: 27، 30) آپ نے اپنی ذات کے لیے جو کام شروع کرنا ہے اس میں پہلی بات یہ ہے کہ تشخیص کریں۔ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ اور دوسری بات یہ کہ ٹارگٹ بنائیں جانا کہاں ہے؟ سفر کس طرف کو کرنا ہے؟ (ملا مت سے اطمینان تک)

سوال 4: کیا کام ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی نفس نفس امارہ بنتا ہے؟

جواب: نفس پر کون کام کرتا ہے؟ مثال کے طور پر اگر نفس امارہ کو دیکھیں تو اس پر کس کا قبضہ ہوتا ہے؟ شیطان کا۔ شیطان انسان سے کیا کام کرواتا ہے؟ جادو، فسق، نافرمانی کے کام اور انسان شیطانی اغوا کا شکار ہو جاتا ہے۔ شیطان انسان کی سوچ handle کر لیتا ہے اور اس کے اندر کبر اور غرور بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے دو خصوصیات پیدا ہوتی ہیں ظلم اور جہالت۔ (ملا مت سے اطمینان تک)

سوال 5: نفس انسان کو کیسے بدی پراکساتا ہے؟

جواب: (1) انسان کا دشمن شیطان جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، وہ انسان کو وسوسے ڈال کر اکساتا ہے۔“ (بخاری) گویا وسوسہ ڈالنے کا عمل شرک کا آغاز ہے۔ (لامت سے اطمینان تک) (2) دل ایک قلعہ کی طرح ہے۔ اس قلعے کی بیرونی دیواریں ہیں اور اس میں دروازے لگے ہوئے ہیں۔ مزید اس میں شکاف اور رخنے بھی بنے ہوئے ہیں۔ اس قلعے میں عقل رہائش پذیر ہے اور فرشتے اس قلعے میں بکثرت آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس قلعے کے باہر ایک طرف ایک اور پناہ گاہ بھی موجود ہے جس میں خواہش رہتی ہے۔ اس پناہ گاہ میں شیاطین بلا روک ٹوک آتے جاتے رہتے ہیں۔ اہل قلعہ اور اہل پناہ گاہ کے مابین لڑائی ہوتی رہتی ہے اور شیاطین مسلسل قلعے کے گردہ گرد قلعے کے محافظوں کی غفلت اور کسی شکاف کے ذریعے اندر داخل ہونے کی تلاش و فکر میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ لہذا قلعے کے محافظوں کو چاہیے کہ قلعے کے ان تمام دروازوں کی اور تمام شکافوں کی پوری پوری نگہبانی اور حفاظت رکھیں جن کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے اور ایک لحظہ اور لمحہ کے لیے بھی پہرے داروں کو پہرے داری اور نگہبانی سے سستی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دشمن کسی وقت بھی سستی اور غفلت نہیں دکھا رہا۔ (3) ایک آدمی نے حسن بصری سے دریافت کیا: کیا ابلیس بھی سوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ”اگر وہ سو جائے تو ہمیں راحت نمل جائے؟“ (4) یہ قلعہ ذکر سے منور اور ایمان سے روشن رہتا ہے۔ اس میں ایک ایسا پالش شدہ آئینہ نصب ہے جس میں ہرگز رنے والے کی تصویر با آسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ (5) شیطان قلعے پر حملہ آور ہونے سے قبل بیرونی پناہ گاہ میں بیٹھ کر دھواں ہی دھواں بنا دیتا ہے جس سے قلعے کی دیواریں کالی سیاہ ہو جاتی ہیں، اور آئینہ دھندلا جاتا ہے۔ کثرت غور و فکر سے وہ دھواں ختم ہو جاتا ہے اور ذکر الہی کی پالش سے آئینہ روشن اور صاف ہوتا ہے۔ (6) دشمن کے حملہ آور ہونے کے مختلف انداز ہیں: بعض اوقات تو وہ حملہ کرتے ہی قلعے میں داخل ہو جاتا ہے لیکن دروازے کے نگہبان اور محافظ اس پر بھر پور جوابی کارروائی کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں، اور کبھی وہ قلعے میں داخل ہو کر حیران و سرگرداں ہی کر ڈالتا ہے، اور نگہبان کی غفلت کی بنا پر وہ اندر قیام بھی کر لیتا ہے، اور بعض اوقات دھوئیں کو چلانے والی اور دھکیلنے والی ہوا ہی تھم جاتی ہے، قلعے کی دیواریں کالی بھجنگ ہو جاتی ہیں۔ آئینہ دھوئیں سے اٹ جاتا ہے۔ تو ایسی صورت حال میں شیطان اس طرح قلعے میں گھس جاتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات محافظ اپنی غفلت اور سستی کی بنا پر زخم خوردہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اور قیدی بن کر ان کے آلہ کار بھی بن جاتے ہیں۔ اور شیطان ادھر قیام کر کے خواہش نفسانی کی موافقت میں کئی نئے حیلے بھی دریافت کرنے لگتا ہے یا اس کی مدد اور اعانت ہی کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ اور بعض اوقات شر اور شرارت کا فقیہ ہی بن جاتا ہے۔ سلف میں سے کسی نے فرمایا ہے: میں نے شیطان کو دیکھا، اس نے مجھے یوں کہا: پہلے میں لوگوں کو ملتا تھا اور ان کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اب صورتحال اس کے برعکس ہو گئی ہے، کہ میں لوگوں کو ملتا ہوں لیکن میں خود ان سے سیکھتا ہوں۔ (7) بعض دفعہ شیطان کسی ہوشیار، باخبر، سمجھ دار آدمی پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کے پاس خواہشات کی دہن ہوتی ہے، جسے اس

نے بناؤ سنگھارا اور میک اپ کیا ہوتا ہے۔ وہ سمجھ دار اور ذہین و فطین آدمی اس کو دیکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے، تو اسی اثناء میں شیطان اسے اپنا قیدی بنا لیتا ہے۔ (8) شیطان کا سب سے مضبوط پھندا جس سے وہ اسیروں اور قیدیوں کو مضبوطی سے باندھتا ہے وہ جہالت ہے۔ درمیانے درجے کا پھندا خواہش نفسانی اور اس کا کمزور ترین حربہ غفلت ہے۔ جب تک ایمان والے پر ایمان کی زرہ رہتی ہے دشمن کا کوئی تیر بھی کارگر نہیں ہوتا بلکہ نشانے پر لگتا ہی نہیں ہے۔ (9) حسن بن صالح نے فرمایا ہے: ”شیطان بندے کے لیے نیکی کے ننانوے دروازے کھولتا ہے ان تمام سے شیطان برائی کا ایک دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔“ (10) اعمش بیان کرتے ہیں ہم سے اس آدمی نے بیان کیا جو جنوں سے باتیں کیا کرتا تھا، ان جنوں کا کہنا تھا: ہمارے لیے سنت کے پیروکار سے بڑھ کر کوئی آدمی زیر کرنا مشکل نہیں ہے۔ رہے یہ خواہش و ہوا کے صاحبان ہم تو ان سے جیسے چاہتے ہیں کھیلتے رہتے ہیں۔ (تلمیس ایلین: ابن جوزی) (11) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے اٹھ کر چلے گئے، مجھے اس پر غیرت آئی۔ پس آپ ﷺ تشریف لائے اور میرا حال دیکھا تو فرمایا: ”اے عائشہ! تجھے کیا ہوا؟ کیا تجھے غیرت آئی؟“ میں نے عرض کیا: ”مجھے کیا ہے کہ مجھ جیسی عورت کو آپ ﷺ جیسے مرد پر غیرت نہ آئے۔“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تیرے پاس تیرا شیطان آیا؟“ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ میں نے کہا: ”کیا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں لیکن میرے رب نے اس کے خلاف میری مدد کی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا۔“ (صحیح مسلم: 7110) (12) سیدنا سمرہ بن فاہک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے راستوں پر بیٹھتا ہے پھر اس کو اسلام کے راستے سے روکتا ہے اور اس کو کہتا ہے کیا تو مسلمان ہوتا ہے اور اپنے اور اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑتا ہے؟ پھر آدمی اس کی بات نہیں سنتا اور مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کو ہجرت کے راستے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ہجرت کرتا ہے اور اپنی زمین اور آسمان کو چھوڑتا ہے اور کہتا ہے کہ مہاجر کی مثال ایسی ہے جیسے گھوڑا اپنے لم ڈور میں، پھر انسان اس کی بات کا انکار کرتا ہے اور ہجرت کرتا ہے۔ پھر اس کو جہاد سے روکتا ہے اور کہتا ہے تو جہاد کرتا ہے اور وہ جان اور مال کے لیے ایک آفت ہے۔ اب تو لڑے گا اور مارا جائے گا پھر لوگ تیری بیوی کا نکاح کر دیں گے اور تیرا مال بانٹ لیں گے، پھر انسان اس کی بات نہیں سنتا اور جہاد کرتا ہے۔ اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ کام کیے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اگر وہ مارا جائے یا اس کو سواری گرائے یا ڈوب کر مر جائے تو بھی اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں لے جائے۔ (سنن نسائی: 3139) (13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ ہمارے دلوں میں وہ وہ خیال گزرتے ہیں کہ جن کا بیان کرنا ہم میں سے ہر ایک کو بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے (یعنی اس خیال کو کہہ نہیں سکتے کیونکہ معاذ اللہ! وہ خیال کفر یا فسق کا خیال ہوتا ہے جس کا منہ سے نکالنا مشکل معلوم ہوتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو ایسے وسوسے ہوتے

ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو عین ایمان ہے۔ (مسلم)

سوال 6: اگر کوئی نفس امارہ سے نفس لوامہ تک کا سفر کرنا چاہے تو وہ کیا کرے؟

جواب: (1) ایسے انسان کو بہت شدید اور بہت سخت قسم کا مجاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان غلطیوں کو معاف کیا ہے جن کا صرف دل میں وسوسہ گزرے یا دل میں اس کے کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ مگر ان کے مطابق عمل نہ ہو اور نہ بات کی ہو۔ (صحیح بخاری: 6664) (2) نبی ﷺ سے وسوسے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو محض ایمان ہے۔ (خالص ایمان) (صحیح مسلم: 342) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَأَنهَاهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ پھر اس کی بدی اور اس کا تقویٰ اس کے دل میں ڈال دیا۔ (الشمس: 8) (4) نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا تھا گناہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: مَسَاحَاكَ فِى صَدْرِكَ ”جو تیرے سینے میں کھٹک پیدا کر دے جسے تم لوگوں کے سامنے کرنے سے کتر او اور اکیلے میں کر لو“۔ (مسلم: 6516) (5) یہاں پر دو باتیں پتہ چلتی ہیں کہ: (الف) کھٹک انسان کو پہلے آگاہ کرتی ہے۔ (ب) انسان اجتماعی ماحول کے اندر ایسا کام کرنے سے گریز کرتا ہے۔ یعنی ماحول اس کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے، دوسرے انسان اندر سے اٹھنے والے سوال کا جواب دے سکتا ہے، اس پہ کان دھر سکتا ہے لیکن جس وقت وہ اس پر کان نہیں دھرتا، دبا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس دبانے کے بارے میں فرمایا: ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا﴾ ”اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اسے مٹی میں دبا دیا۔“ (الشمس: 10) (6) جس نے اندر سے اٹھنے والی نیکی کی اس پکار کو، کھٹک کو دبا دیا وہ نامراد ہو گیا، اسی طرح سے دوسرا وہ بھی انسان اختیار کر سکتا ہے، اگر انسان عین اس موقع پر، اس کھٹک پر محتاط ہو جاتا ہے اور برائی کرنے سے رک جاتا ہے تو یہ رکنا کیا ہے؟ اپنے آپ کو برائی سے پاک کرنا۔ تزیہ کرنا۔ اسی کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَدَّهَا﴾ ”یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جس نے اسے پاک کیا۔“ (الشمس: 9) کھٹک پیدا ہوئی اور انسان نے اس کھٹک کی وجہ سے اپنے آپ کو برائی سے پاک کر لیا تو وہ کامیاب ہے۔ آپ نے کس طرح سے اس نفس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا ہے؟ بڑی بات تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے دو بڑے خاص راستے ہیں۔ (7) پہلی چیز جیسے رب العزت نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا کہ اگر نفس اکسائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو۔ ﴿وَإِذَا يَنزَعُ عَنكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾ اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی اکساہٹ ابھاردے تو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ (الاعراف: 200) (8) دوسری چیز: اللہ تعالیٰ کی مدد مانگنا مسنون طریقے سے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے مد مانگی، نبی ﷺ اپنے اکثر خطبات کے آغاز میں نفس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے آپ ﷺ کے الفاظ ہیں کہ: وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ”اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے برے اعمال کے شر سے“ اور اسی طرح سے نبی ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى نَفْسِيْ طَرَفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ ”اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پھر مجھے میرے

نفس کے حوالے ایک لمحے کے لیے نہ کرنا۔ میرے حالات کی اصلاح کر دینا تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ (ابوداؤد: 5090)

سوال 7: ﴿إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾ ”مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی انسان کا نفس تو شیطان کی سواری ہے۔ شیطان نفس کے راستے ہی انسان کے اندر داخل ہوتا ہے مگر جس پر رب کی رحمت ہو۔

(2) یعنی جسے رب تزکیہ کی توفیق دے دے اور نفس کی تطہیر کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق دے دے تاکہ نفس امارہ، نفس مطمئنہ

بن جائے وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ (ایسر التفسیر: 683، 684) (3) یعنی اسے اس کے نفس امارہ سے نجات دے دے اور اس

طرح اس کا نفس امارہ نفس مطمئنہ میں بدل جائے۔ ہلاکت کے داعی کی نافرمانی کر کے ہدایت کے داعی کی آواز پر لبیک کہے۔ اس میں نفس

کا کوئی کمال نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر بے انتہا فضل و کرم اور اس کی بے پایاں رحمت ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1264) (4) یعنی

جس پر میرا رب رحم کرے اور اس کو بچالے تو وہ نفس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اسی جہاد نفس کی وجہ سے اس کو ملانکہ پر

برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری: 6/109)

سوال 8: ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ﴾ ”یقیناً میرا رب بے حد بخشنے والا ہے“ جو بھی نادم ہو کر رب کے سامنے جھک جائے وہ اسے معاف فرما دیتا

ہے۔ (2) وہ غفور ہے تو بے کر کے لوٹ آنے والے کو بخش دیتا ہے۔ (3) ﴿رَحِيمٌ﴾ ”نہایت رحم والا ہے“ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے

اور اسے نیک اعمال کی توفیق عطا کر کے اس پر رحم کرتا ہے۔ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں قرین صواب یہی ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول

ہے یوسف علیہ السلام کا نہیں، کیونکہ یہ بات عورت کے کلام کے سیاق میں آئی ہے اور یوسف علیہ السلام تو اس وقت قید میں تھے۔ (تفسیر سعدی: 1264،

1265/2) (4) یہ انقلاب، انسان کی ذات میں اس کے بطون میں اندھیرے کا نور سے بدل جانا صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن

ہے۔ یہ عورت مومن بن چکی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ وہ رب جس نے مجھے ڈوبنے سے اس وقت بچایا جب میں ڈوبنے کے بالکل قریب

تھی، واقعی خطاؤں کا بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (تعارف الفرقان: 88) (5) یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عزیز مصر کی بیوی جناب

یوسف علیہ السلام کے شب و روز سے بے خبر نہ تھی وہ ہر لمحے کی خبر کھتی ہوگی۔ اسے یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ جناب یوسف زنداں میں اللہ تعالیٰ کے

دین کی، توحید کی اور تقویٰ کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ اس دعوت پر ایمان لے آئی اور ”ہیت لک“ کہنے والی یہ کہنے لگی: ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ﴾ جب گناہ گار یہ لفظ کہتا ہے تو سارے وجود کی صداقت ان میں سمٹ آتی ہے۔ یقیناً عزیز مصر کی بیوی توبۃ النصوح کر چکی تھی

اور اللہ تبارک و تعالیٰ یہاں یہی بتانا چاہتا ہے۔ (تعارف الفرقان: 88) (6) ﴿إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ سے بندے اور رب کے تعلق کا اندازہ

ہوتا ہے کہ بندہ کیسے خطائیں کرتا ہے، گناہوں میں آلودہ ہو جاتا ہے لیکن رب کی رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اپنی خطاؤں کی معافی

مانگ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں۔

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْصِصُهٗ لِنَفْسِي ۗ فَلَمَّا كَلِمَةٌ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيَّ بِمَكِيْنٍ اٰمِيْنٌ ﴿54﴾ ﴾

” اور بادشاہ نے کہا: ”اس کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خالص کر لوں۔“ پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا: ”بلاشبہ آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانت دار ہیں۔“ (54)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْصِصُهٗ لِنَفْسِي ﴾ ” اور بادشاہ نے کہا: ”اس کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خالص کر لوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ﴾ شاہ مصر نے تحقیق کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو بلانے کے لیے قاصد سے کہا۔ (2) ﴿ ائْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْصِصُهٗ لِنَفْسِي ﴾ ”اس کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خالص کر لوں“ جب بادشاہ پر سیدنا یوسف علیہ السلام کا علم، ان کے کردار کی بلندی اور پاک دامنی واضح ہو گئی تو اس نے انہیں بلوایا تا کہ وہ انہیں اپنا ذاتی دوست اور مشیر بنا لیں۔ شاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کو عزت اور احترام کے ساتھ لانے کا حکم دیا۔

سوال 2: ﴿ فَلَمَّا كَلِمَةٌ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيَّ بِمَكِيْنٍ اٰمِيْنٌ ﴾ ” پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا: ”بلاشبہ آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانت دار ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلَمَّا كَلِمَةٌ ﴾ ”پھر جب اس نے اس سے بات کی“ شاہ مصر نے جب یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی تو اس نے یوسف علیہ السلام کی فراست، دانائی، دوراندیشی، علم، کمال اور حسن اخلاق کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے انہیں اپنا خاص مشیر بنانا چاہتا تھا۔ (2) ﴿ قَالَ ﴾ ”کہا“ شاہ مصر کے نزدیک سیدنا یوسف علیہ السلام کی قدر و منزلت اور وقعت زیادہ ہو گئی تو اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے کہا۔ (3) ﴿ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيَّ بِمَكِيْنٍ اٰمِيْنٌ ﴾ ”بلاشبہ آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانت دار ہیں“ آپ ہمارے یہاں عزت و احترام والے، بلند مرتبہ اور معتبر ہیں۔ آپ ہمارے رموز مملکت کے اور رازوں کے امین ہیں۔

﴿ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَايِنِ الْاَرْضِ ۗ اِنِّي حَفِيْظٌ عَلَیْمٌ ﴿55﴾ ﴾

”یوسف نے کہا: ”مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں یقیناً میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔“ (55)

سوال 1: ﴿ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَايِنِ الْاَرْضِ ۗ اِنِّي حَفِيْظٌ عَلَیْمٌ ﴾ ”یوسف نے کہا: ”مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں یقیناً میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَايِنِ الْاَرْضِ ﴾ ”یوسف نے کہا: ”مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے کہا اگر آپ مجھے امین اور عزت و احترام کے قابل سمجھتے ہیں تو مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ (2) میں امین ہونے کی وجہ سے

اپنی اس ذمہ داری کو پوری امانت اور دیانت سے ادا کروں گا۔ میں خزانوں کی نگرانی بھی کروں گا اور اپنے علم کے مطابق ایسی تدابیر اختیار کروں گا جس کی وجہ سے قحط کی تباہیوں سے مصر کو بچائیں گے۔ (3) لفظ ﴿عَزَّآبِ الْاَرْضِ﴾ زمین کے خزانے سے مراد روپیہ اور غلوں کے خزانے نہیں ہیں بلکہ سلطنت کے تمام ذرائع آمدنی و پیداوار ہیں۔ قرآن حکیم میں خزان کا لفظ عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ”وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ (ابن کثیر) (اشرف الحواشی: 291/1) (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے عوام کے فائدے کے لیے بادشاہ سے مطالبہ کیا سیدنا یوسف علیہ السلام بادشاہ کے خواب کی تعبیر کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ عنقریب قحط سالی کے دن آنے والے ہیں اور ان دنوں کے لیے مناسب انتظامات کرنے کی ضرورت ہے سو انہوں نے خزانے اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش ظاہر کی۔ (5) ﴿اِنِّیْ حَافِیْظٌ عَلَیْکُمْ﴾ ”یقیناً میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں“، یعنی جس چیز کا آپ مجھے نگران بنائیں گے میں اس کی حفاظت کروں گا اس میں سے کچھ بھی بے محل استعمال ہو کر ضائع نہیں ہوگی، میں ان محاصل کے داخل خارج کو منضبط کر سکتا ہوں میں ان کے انتظام کی کیفیت کا پورا علم رکھتا ہوں۔ میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ کسے عطا کرنا ہے کسے محروم رکھنا ہے اور ان میں تصرفات کی پوری طرح دیکھ بھال کر سکتا ہوں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف سے اس عہدے کا مطالبہ، عہدے کی حرص کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ نفع عام میں رغبت کی وجہ سے تھا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بارے میں اپنی کفایت اور حفظ و امانت کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ لوگ نہیں جانتے تھے۔ بنا بریں سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں زمین کے محاصل کے خزانوں کے انتظام پر مقرر کر دے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں زمین کے محاصل کے خزانوں کا والی اور منتظم مقرر کر دیا۔ (تفسیر سعدی: 1265/2) (6) ان دو لفظوں میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان تمام اوصاف کو جمع کر دیا جو ایک وزیر خزانہ میں ہونے چاہئیں کیونکہ پہلی ضرورت تو امین خزانہ کے لئے اس کی ہے کہ وہ سرکاری اموال کو ضائع نہ ہونے دے اور دوسری ضرورت اس کی ہے کہ جہاں جس قدر خرچ کرنا ضروری ہے، اس میں نہ کوتاہی کرے۔ (معارف القرآن: 88,89/5) (7) سیدنا یوسف علیہ السلام نے عہدے کی طلب اس لئے کی تاکہ وہ ملک میں احکام الہیہ کا اجراء کریں، حق کو قائم کریں، عدل کا بول بالا کریں اور ان مقاصد کی تکمیل کریں جن کے لیے انبیاء کرام مبعوث کیے جاتے ہیں۔ (انوار الیمان: 105/3) (8) سیدنا عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے امارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (بخاری) (9) جب انسان کو اپنی اہلیت پر اعتماد و یقین ہو اور کوئی دوسرا شخص قومی امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اپنے آپ کو عہدہ کے لئے پیش بھی کر سکتا ہے۔ (ابن کثیر) (10) صحابہ کرام سیدنا علی اور معاویہ اور سیدنا حسین اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے جو اختلافات پیش آئے وہ سب اسی پر مبنی تھے کہ ان میں ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ اس وقت فرائض خلافت کو میں اپنے مقابل سے زیادہ حکمت و قوت کے ساتھ پورا کر سکوں گا، جاہ و مال کی طلب کسی کا مقصد اصلی نہ تھا۔ (معارف القرآن: 91/5) (11) کافر

يا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے لیکن امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ ”فلن اکون ظھیرا۔۔“ کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت کی رو سے ظالموں، کافروں کی اعانت کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن: 5/91)

﴿ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا وَأَمْنًا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ

الْمُحْسِنِينَ (56) ﴾

”اور اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار دیا وہ اس میں جگہ بنا تا تھا جہاں چاہتا تھا ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے۔“ (56)

سوال 1: ﴿ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا وَأَمْنًا حَيْثُ يَشَاءُ ﴾ ”اور اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار دیا وہ اس میں جگہ بنا تا تھا جہاں چاہتا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَكَذَلِكَ ﴾ ”اور اس طرح“ یعنی ان اسباب اور تدابیر کی وجہ سے۔ (2) ﴿ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ﴾ ”ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے اقتدار کا راستہ ہموار کیا گیا: (الف) سیدنا یوسف علیہ السلام کو الزام سے بری کر دیا گیا۔ (ب) بادشاہ کے دل میں ان کی قدر و منزلت پیدا کی گئی۔ (ج) سیدنا یوسف علیہ السلام کے طلب کردہ عہدے پر انہیں فائز کر دیا گیا۔ (3) اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کے ذریعے سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے مصر کی سرزمین میں قدم جمانے ممکن کر دیے۔ (4) ﴿ يَتَّبِعُوا وَأَمْنًا حَيْثُ يَشَاءُ ﴾ ”وہ اس میں جگہ بنا تا تھا جہاں چاہتا تھا“ اب انہیں اختیار تھا کہ وہ ملک میں جو چاہیں کریں، جہاں چاہیں رہیں۔ ایک وہ دور تھا کہ قید خانے میں زندگی محبوس تھی اور یہ دوسرا دور تھا جس میں سارا ملک، سارے خزانے ان کے قبضے میں تھے یوں وہ نعمتوں اور جاہ و جلال میں رہنے لگے۔ (5) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو سلطنت مصر میں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے اور وہ ایک کافر بادشاہ کے وزیر اور ملازم نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ (ریان بن ولید) نے از خود ہی زمام حکومت ان کے سپرد کر دی ہو۔ (روح المعانی) (اشرف الحواشی: 1/291)

سوال 2: ﴿ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾ ”ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ﴾ ”ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں“ یعنی ہمارے احسان اور رحمت اور نعمت کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو یہ مقام ملا۔ (2) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے، اپنی رحمت اور احسان سے جس پر چاہتے ہیں رحمتیں فرماتے ہیں۔ (3) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو نعمت نبوت، اسلام اور نجات عطا فرمائی۔ (ثمر قندی: 2/206) (4) ”ہم اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں

”اس سے اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ زمین پر ہونے والی تبدیلیوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشکلات سے نکال کر آسانیوں میں لاتے ہیں، خوف کے بدلے امن عطا کرتے ہیں، قید سے نکال کر آزادی دیتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں جگہ بناتے ہیں، پریشانیوں کے بدلے خوشیاں عطا کرتے ہیں۔ (5) ﴿وَلَا تُؤْسِبُكُمْ أَعْرَابَ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور نیکی کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے“ اللہ تعالیٰ نیک انسانوں کا صلہ برباد نہیں کرتے۔ چونکہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ظلم کی وجہ سے جلا وطنی اور عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے قید کی زندگی پر صبر سے کام لیا تھا، اس لیے صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر پر حکمران بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ مخلص بندوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا شمار تو محسنین کے سرداروں میں ہوتا ہے۔ (6) سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل کتاب میں سے ایک شخص سے، جو مسلمان ہو گیا تھا، سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی ”اے داؤد مصیبت پر صبر کر تجھے میری طرف سے مدد پہنچے گی۔“ میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان نے صبر کے ذریعے ہی خیر سے حصہ پایا ہے۔ چاہے وہ نبی ہو یا کوئی اور ہو۔ مختصر بن بلال انصاری کے اشعار ہیں: ”کوئی بھی سخت دن ایسا نہیں (اگرچہ اس میں آنے والی مصیبت شدید ہو) جس کے بعد آسانی نہ آجاتی ہو اگر آدمی پر کسی دن ضرورت کا پورا کرنا مشکل ہو اور ضرورت اسے جکڑ لے تو وہ صبر کی چابی سے اسے کھولے۔“

﴿وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ حَبِئْتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ﴾ (57)

”اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں۔“ (57)

سوال: ﴿وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ حَبِئْتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ حَبِئْتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا اجر بہت ہی بہتر ہے“ یعنی آخرت کا اجر دنیا کی عطا سے بہتر ہے۔ (2) یعنی ایسے ایمان اور تقویٰ والے آخرت میں بڑا ہی انعام و اکرام پائیں گے، دنیا میں اقتدار و تصرف ملا اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ بیان سے باہر ہے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ۞ وَإِنَّ لَكَ عِنْدَنَا لَنْفًى وَ حُسْنَ مَآبٍ ۞ یہ ہماری عطا ہے سو احسان کرو یا روک رکھو، کوئی حساب نہیں ہے۔ اور بلاشبہ اس کا ہمارے یہاں یقیناً بڑا قرب ہے اور بہترین ٹھکانہ ہے۔ (ص: 39، 40) (3) ﴿لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے“ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کی۔ (4) ﴿وَ كَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں“ یعنی وہ شرک سے بچتے رہے۔ (5) یعنی جن لوگوں میں تقویٰ اور ایمان جمع ہے۔ پس تقویٰ کے ذریعے سے حرام امور، یعنی کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو ترک کیا جاتا ہے اور ایمان کامل کے ذریعے سے ان امور میں تصدیق قلب حاصل ہوتی ہے جن امور کی تصدیق کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فرض و مستحب، اعمال قلوب اور اعمال

جو ارج، تصدیق قلب کی پیروی کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1266) (6) مطلب یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کی کامیابی کے لیے اصل کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ دنیا کا جاہ جلال اور عزت و شہرت سب عارضی ہے اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ (تیسیر الرحمن: 1/687)

رکوع نمبر: 8

﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَّفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ (58)

”اور یوسف کے بھائی آئے، پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس کو پہچاننے والے نہ تھے۔“ (58)

سوال 1: ﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ﴾ ”اور یوسف کے بھائی آئے“ مصر میں برادران یوسف کی آمد کا کیا سبب تھا؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کے دور میں جب قحط کے دور کا آغاز ہوا تو فلسطین بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ قحط کا اثر کنعان کے شہروں پر بھی پڑا جہاں یعقوب علیہ السلام رہتے تھے۔ (2) سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب مصر کی وزارت سنبھالی تو اپنے حسن تدبیر سے پہلے سات سالوں میں اناج کو محفوظ رکھا۔ پھر سات سالہ قحط کے دور میں انہوں نے غریبوں اور قحط زدہ لوگوں میں غلہ بانٹنا شروع کر دیا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس اناج کے لیے دوردراز سے لوگ آتے تھے اور وہ انہیں قیمت لے کر غلہ دیتے تھے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی بیٹوں کو اناج کے لیے مصر بھیجا۔ یوں برادران یوسف علیہ السلام بھی قیمت لے کر دس اونٹوں پر سوار ہو کر مصر کی طرف چل پڑے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔

سوال 2: ﴿فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَّفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس کو پہچاننے والے نہ تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَّفَهُمْ﴾ ”پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انہیں پہچان لیا“ جب دس بھائی سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ (2) ﴿وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”اور وہ اس کو پہچاننے والے نہ تھے“ برادران یوسف علیہ السلام انہیں پہچان نہ پائے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا اس کے بعد ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ (3) اس وقت سیدنا یوسف علیہ السلام کی عمر بھی چھوٹی تھی اور اب وہ مصر کے تخت سلطنت کے مالک بن جائیں گے، یہ بات تو بھائیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالِ ائْتُونِي بِاَخٍ لَكُمْ مِنْ اٰبَائِكُمْ ؕ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْ اُوْتِيَ الْكِتٰبَ وَ اَنَا خٰلِدٌ

الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (59)

”اور جب اس نے ان کے سامان کے ساتھ انہیں تیار کر دیا تو کہا: ”اپنے اس بھائی کو میرے پاس لانا جو تمہارے باپ سے ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو یقیناً میں پورا ماپ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔“ (59)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ قَالِ اسْتُوْنِي بِاٰخِ لَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِيْۤ اَلَا تَرْوْنَ اَنِّيْۤ اُوْنِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ ”اور جب اس نے ان کے سامان کے ساتھ انہیں تیار کر دیا تو کہا: ”اپنے اس بھائی کو میرے پاس لانا جو تمہارے باپ سے ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو یقیناً میں پورا ماپ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”اور جب اس نے ان کے سامان کے ساتھ انہیں تیار کر دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان تیار کروا دیا جیسے وہ اناج ناپ کر دیتے تھے انہوں نے ہر بھائی کو ایک اونٹ غلہ دیا اور ان سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا ایک بھائی جنگل میں ہلاک ہو گیا تھا اور اس کا حقیقی بھائی ہے جو والد کے پاس ہے۔ (2) ﴿قَالَ﴾ ”کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ (3) ﴿اسْتُوْنِي بِاٰخِ لَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِيْۤ اَلَا تَرْوْنَ اَنِّيْۤ اُوْنِي الْكَيْلَ﴾ ”اپنے اس بھائی کو میرے پاس لانا جو تمہارے باپ سے ہے“ یعنی تم نے اپنے جس بھائی کا ذکر کیا ہے اسے ساتھ لے آنا۔ (4) ﴿اَلَا تَرْوْنَ اَنِّيْۤ اُوْنِي الْكَيْلَ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو یقیناً میں پورا ماپ دیتا ہوں“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو رغبت دلاتے ہوئے فرمایا کہ تم نے دیکھا نہیں میں پورا پورا غلہ دیتا ہوں۔ (5) ﴿وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ ”اور میں بہترین مہمان نواز ہوں“ میں نے تمہاری عزت و اکرام سے مہمان نوازی کی ہے، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دی تو اپنے بھائی کو ساتھ لے آنا اگر اس کے حصے کا غلہ چاہئے۔ (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“ (صحیح بخاری: 6018) (7) سیدنا ابو شریح خولید بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔“ صحابہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دن اور ایک رات (یعنی اس میں اپنی طاقت کے مطابق بہتر کھانا تیار کرے) اور مہمان نوازی تین دن ہے۔ پس جو اس کے علاوہ ہو، وہ صدقہ ہے۔“ (صحیح بخاری: 6135)

سوال 2: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا وعید ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَلِّ اللّٰهُ طٰفِ فِئِن ۝﴾ ”ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے۔“ (الطّفٰفین: 1)

﴿فَاِنْ لَّمْ تَأْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرُبُوْنِ﴾ (60)

”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی ماپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا۔“ (60)

سوال: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَأْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرُبُوْنِ﴾ ”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے

کوئی ماپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ﴾ ”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنا بھائی ساتھ نہ لانے کی صورت میں ڈراتے ہوئے ان سے کہی۔ (2) ﴿فَلَا تَكْمَلُ لَكُم مَّعِدَتِي وَلَا تَكْفُرُون﴾ ”تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی ماپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا“ یعنی بھائی کو نہیں لاؤ گے تو غلہ بھی نہیں ملے گا بلکہ تمہیں میرے پاس آنا ہی نہیں چاہئے۔ (3) یہ بات سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس لئے کہی، کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ مصر ان کے پاس ضرور آئیں گے اور اپنے بھائی کو ساتھ لانے پر مجبور ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 2/1268)

﴿قَالُوا سَوَّأُوْا عُنُقَهُ أَبَاكَ وَإِنَّا لَظَالِمُونَ﴾ (61)

”انہوں نے کہا: ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو ضرور آمادہ کریں گے اور بلاشبہ ہم ضرور کرنے والے ہیں۔“ (61)

سوال: ﴿قَالُوا سَوَّأُوْا عُنُقَهُ أَبَاكَ وَإِنَّا لَظَالِمُونَ﴾ ”انہوں نے کہا: ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو ضرور آمادہ کریں گے اور بلاشبہ ہم ضرور کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا سَوَّأُوْا عُنُقَهُ أَبَاكَ﴾ ”انہوں نے کہا: ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو ضرور آمادہ کریں گے“ برادران یوسف علیہ السلام بولے ہم پوری طرح سے کوشش کریں گے کہ ہمارے والد بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ (2) اس آیت میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بنیامین سے محبت کی دلیل ہے اسی لیے برادران یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہم بنیامین کو لانے کی تدبیر کریں گے۔ (3) ﴿وَإِنَّا لَظَالِمُونَ﴾ ”اور بلاشبہ ہم ضرور کرنے والے ہیں“ یعنی برادران یوسف علیہ السلام نے بھائی کو لانے کا وعدہ کر لیا۔

﴿وَقَالَ لِفَتِيْنِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يُعْرِفُوْنَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

يَرْجِعُونَ﴾ (62)

”اور یوسف نے اپنے جوانوں سے کہا کہ ان کی رقم ان کے کجاووں میں رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ لوٹ آئیں۔“ (62)

سوال 1: ﴿وَقَالَ لِفَتِيْنِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يُعْرِفُوْنَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”اور یوسف نے اپنے جوانوں سے کہا کہ ان کی رقم ان کے کجاووں میں رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ لوٹ آئیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ لِفَتِيْنِهِ اجْعَلُوا﴾ ”اور یوسف نے اپنے جوانوں سے کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے واپس آنے کی ایک

اور تدبیر کی، انہوں نے اپنے غلاموں اور خادموں سے کہا۔ (2) ﴿اجْعَلُوا رِضَاعَهُمْ فِي رِجَالِهِمْ﴾ ”ان کی رقم ان کے کجاووں میں رکھ دو“ ان کی رقم چپکے سے ان کے کجاووں میں رکھ دو، جس کے بدلے میں انہوں نے غلہ خریدا تھا۔ (3) ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْفُؤُهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ﴾ ”تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں“ یعنی گھر جا کر جب وہ سامان میں اپنی قیمت دیکھیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اس احسان کو پہچان لیں۔ (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے غلے کے پورے تول کے ذریعے بھلائی کی، پھر قیمت واپس لوٹا دی یہ احسان بھی ان پر واجب ٹھہراتا تھا کہ احسان کرنے والے یوسف علیہ السلام سے وفاداری کریں اور بھائی کو لے کر دوبارہ مصر پہنچیں۔ (5) ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”شاید وہ لوٹ آئیں“ یعنی شاید وہ احسان دیکھ کر لوٹ آئیں یا وہ اپنے مال کی واپسی کو گناہ سمجھ کر واپس کرنے کے لیے مصر آئیں۔ (6) کیونکہ جب ان کے پاس غلہ خریدنے کے لئے پونجی ہوگی تو آنے کی راہ میں رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ (روح اشرف: 1/292)

﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا لَّكَيْلٌ وَرِثَانًا لَّهُ لِنَحْفَظُكَ﴾ (63)

”چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہم سے ماپ روک دیا گیا ہے لہذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں اور بلاشبہ ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔“ (63)

سوال: ﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا لَّكَيْلٌ وَرِثَانًا لَّهُ لِنَحْفَظُكَ﴾ ”چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہم سے ماپ روک دیا گیا ہے لہذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں اور بلاشبہ ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ﴾ ”چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہم سے ماپ روک دیا گیا ہے“ جب برادران یوسف علیہ السلام مصر سے واپس کنعان اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے کہ مصر سے مزید غلے کو اس وقت تک کے لیے روک دیا گیا ہے جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہیں لے جاتے۔ (2) ﴿فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا لَّكَيْلٌ﴾ ”لہذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں“ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا: ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ایک اونٹ مزید غلہ ہمیں مل جائے۔ اس کی وجہ سے ہمیں مزید اناج حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ (3) ﴿وَرِثَانًا لَّهُ لِنَحْفَظُكَ﴾ ”اور بلاشبہ ہم ہی اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں“ برادران یوسف علیہ السلام نے بھائی کی حفاظت کی ذمہ داری لی اور کہا کہ ان شاء اللہ ہم خیر و عافیت سے اسے واپس لائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے۔

﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۗ قَالَ لَهُ حَفِظَا ۗ وَهُوَ أَرْحَمُ﴾

سوال 1: ﴿وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ﴾ ” اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے پایا کہ انہیں ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ” اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے پایا کہ انہیں ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے“ جب برادران یوسف علیہ السلام نے گھر واپس پہنچ کر سامان کھولا تو اس میں سے وہ رقم نکلی جو چلتے ہوئے یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں سے رکھوائی تھی۔ (2) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے یہ مال قصداً واپس کیا تھا اور وہ اس مال کا واپس بھائیوں کو مالک بنانا چاہتے تھے۔ (تفسیر سعدی: 1269/2)

سوال 2: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبِئُكَ هَذِهِ بَضَاعُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِيُّؤُا أَهْلَنَا وَنَحْفُظُ أَخَانَا وَكَرَدَادُ مَيْلَ بَعِيرٍ ۗ ذٰلِكَ كَيْفَ يَسِيرُ﴾ ” انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہے ہمارا مال، ہماری طرف لوٹا دیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ہم ایک اونٹ کا (غلہ) ماپ زیادہ لائیں گے اور یہ تو آسان ماپ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبِئُكَ هَذِهِ بَضَاعُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا﴾ ” انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہے ہمارا مال، ہماری طرف لوٹا دیا گیا ہے“ انہوں نے اپنی رقم دیکھ کر خوشی کے مارے کہا کہ ہمیں اتنے عزت و احترام کے ساتھ رقم بھی واپس کر دی گئی ہے اور ہمیں کیا چاہئے۔ (2) انہوں نے اپنے والد کو ترغیب دلائی کہ ہمیں اناج بھی مل گیا، رقم بھی مل گئی۔ یہ دینے والے کے اخلاص اور حسن اخلاق پر دلیل ہے۔ (3) ﴿وَنَبِيُّؤُا أَهْلَنَا﴾ ” اور ہم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے“ اب آپ ہمارے ساتھ بھائی کو بھیج دیں تو ہم غلہ بھی لے آئیں گے کیونکہ گھر والے خوراک کے سخت محتاج ہیں۔ (4) ﴿وَنَحْفُظُ أَخَانَا﴾ ” اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے“ اور اپنے بھائی کی نگرانی بھی کریں گے۔ (5) ﴿وَنَزْدَادُ مَيْلَ بَعِيرٍ﴾ ” اور ہم ایک اونٹ کا (غلہ) ماپ زیادہ لائیں گے“ یعنی جب ہمارا بھائی ہمارے ساتھ ہوگا تو ہمیں زیادہ غلہ ملے گا کیونکہ یوسف علیہ السلام ہر شخص کو ایک اونٹ یا ایک گدھا غلہ دیا کرتے تھے۔ قبیلہ قبطی زبان میں گدھے کو بھی بھیر کہا جاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 890/1) (6) ﴿ذٰلِكَ كَيْفَ يَسِيرُ﴾ ” اور یہ تو آسان ماپ ہے“ یعنی یہ غلہ حاصل کرنے کا بڑا آسان طریقہ ہے جس سے نقصان نہیں ہوگا۔ اسی میں فائدہ ہے اور زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔

﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾

قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكَيْفَ (66)

” یعقوب نے کہا: ”میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا پختہ عہد نہ دے دو کہ تم ضرور اس

کو میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ اور بات ہے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ۔“ پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو اس نے کہا: ”جو ہم سب کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے۔“ (66)

سوال 1: ﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنْ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ﴾ ”يعقوب نے کہا: ”میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا پختہ عہد نہ دے دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ اور بات ہے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”يعقوب نے کہا: ”میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا پختہ عہد نہ دے دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ اور بات ہے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ“ سیدنا يعقوب ؑ نے کہا کہ جب تک تم بنیامین کو واپس لانے کی قسم نہیں کھاؤ گے میں اسے تمہارے ساتھ بھیجنے کے لیے ہرگز راضی نہیں ہوں گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کہیں تم سب گھیر لیے جاؤ اور چھڑا نہ پاؤ تو اور بات ہے یعنی ایسی صورت حال جس پر تمہارا بس نہ چلتا ہو اور تم اسے ہٹانے کی قدرت نہ رکھتے ہو۔

سوال 2: ﴿فَلَمَّا آتَوْهُم مَّوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ ”پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو اس نے کہا: ”جو ہم سب کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا آتَوْهُم مَّوْثِقَهُمْ﴾ ”پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دے دیا“ جب برادران يوسف ؑ نے اپنے والد کی خواہش کے مطابق قسمیں کھا کر پختہ عہد و پیمان دے دیا۔ (2) ﴿قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ ”اس نے کہا: ”جو ہم سب کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے“ سیدنا يعقوب ؑ نے قسموں کے بعد اس قول و قرار کی مضبوطی کے لیے فرمایا کہ ہماری باتوں پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ اس کی حفاظت کے ہم محتاج اور اس کی رحمت کے تمنائی ہیں۔ یوں سیدنا يعقوب ؑ کو مجبوراً بنیامین کو بھیجنا پڑا کیونکہ غلے کے بغیر گزارا نہ تھا اور بیٹے کے جائے بغیر اناج کا ملنا ممکن نہیں تھا۔

﴿وَقَالَ يَبْنَئِي لَا تَدْخُلُوا مِنِّي بَابٍ وَاحِدٍ وَاَدْخُلُوا مِنِّي أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (67)﴾

”اور يعقوب نے کہا: ”اے میرے بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنے والی) کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتا، حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور لازم ہے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں۔“ (67)

سوال 1: ﴿وَقَالَ يَبْنَئِي لَا تَدْخُلُوا مِنِّي بَابٍ وَاحِدٍ وَاَدْخُلُوا مِنِّي أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ﴾ ”اور يعقوب نے کہا: ”اے میرے بیٹو! تم سب

ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے چلتے وقت بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مصر میں داخل ہوں تو ایک ہی دروازے سے نہ جائیں بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں۔ ان کے دل میں یہ اندیشہ غالب تھا کہ اگر ایک دروازے سے جائیں گے تو شاید کسی آفت میں گرفتار ہو جائیں جب کہ الگ الگ جانے میں نسبتاً عافیت ہے۔ (2) یعنی وہ بھائیوں کی کثرت کی وجہ سے نظر لگنے سے ڈرتے تھے۔ (3) صحیح احادیث سے بھی یہ ثابت ہے: العین حق یعنی نظر بد کا لگ جانا ایک حقیقت ہے۔ عہد نبوی میں بہت سے لوگوں کو نظر بد سے نقصان کا پہنچنا ثابت ہے۔ ایک حدیث میں نظر بد کی شدت تاثیر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی تو نظر بد سبقت لے جاتی۔“ (فتح القدیر، روح اشرف)

سوال 2: نظر لگنے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: (1) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”الْعَيْنُ حَقٌّ“ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نظر لگنا برحق ہے۔“ (صحیح بخاری: 5740) (2) سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”میرے باپ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے خزار جگہ میں بہتے ہوئے پانی میں غسل کے ارادے سے اپنا کپڑا اتارا تو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ انھیں دیکھ رہے تھے، میرے والد محترم بہت زیادہ خوب صورت اور گورے چٹے تھے۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اس کی خوب صورتی ایک ماہ پارہ دوشیزہ کی طرح ہے، اتنا خوب صورت جسم میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ بس یہ کہنا تھا کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ وہیں گر پڑے اور انھیں سخت بخار ہو گیا، ان کی بیماری کی خبر رسول اکرم ﷺ کو دی گئی اور بتایا گیا کہ وہ سر نہیں اٹھا رہے (یعنی بہت زیادہ بیمار ہیں)۔ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا تم لوگوں کو کسی آدمی پر شک ہے کہ اس کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”ہاں! عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔“ آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور غصے سے فرمایا: ”آخر تم میں سے کوئی اپنے ہی بھائی کو کیوں ہلاک کرتا ہے؟ اس کے لیے تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟ اس کے لیے غسل کرو۔“ تب جناب عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ، دونوں کہنیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں اور اپنی تہ بند کا اندرونی حصہ ایک برتن میں دھویا۔ پھر وہی پانی جناب سہل رضی اللہ عنہ پر پیچھے سے انڈیل دیا گیا اور وہ اسی وقت شفا یاب ہو گئے۔“ (موطا امام مالک، کتاب العین، باب الوضوء من العین: 1، سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب العین: 3509)

سوال 3: نظر بد کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ طلب کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے بزرگ دادا (ابراہیم علیہ السلام) بھی ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کے لیے مانگا کرتے تھے: اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَأَمَّةٍ۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے پورے کلمات کے ذریعہ

ہر ایک شیطان سے اور ہرزہ ہریلے جانور سے اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر بد سے۔ (صحیح بخاری: 3371) (2) سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسے دموں میں کوئی حرج نہیں جن میں شرک نہ ہو۔“ (مسلم: 5732) (3) اگر یہ پتہ چل جائے کہ کس کی نظر لگی ہے تو اسے غسل کرنے کے لئے کہا جائے۔ پھر غسل والے پانی سے نظر بد کے متاثرہ شخص پر پانی بہا دیا جائے۔ اس طرح شفا نصیب ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ: 3509) (ii) سورة الاخلاص، سورة الفلق، سورة الناس (بخاری: 5017) اور یہ دعائیں پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے: بِاسْمِ اللّٰهِ يُبْرِئُكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَّشْفِيكَ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ وَشَرِّ كُلِّ ذِي عَيْنٍ۔ ”اللہ تعالیٰ کے نام سے میں مدد چاہتا ہوں۔ وہ تمہیں ہر بیماری سے اچھا کرے گا۔ تمہیں ہر حسد کرنے والے کی برائی سے محفوظ رکھے گا اور ہر بری نظر ڈالنے والے کی نظر سے تمہیں بچائے گا۔“ (مسلم: 5699) رَبِّ النَّاسِ مُذْهِبِ الْبَاسِ اَشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لِّمَا يُعَادِرُ سَقَمًا۔ ”اللہ تعالیٰ کے نام سے ہر اس چیز کے شر سے جو آپ کو تکلیف دینے والی ہو اور ہر نفس یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے میں آپ کو دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔“ (بخاری: 5742)

سوال 4: نبی ﷺ نے نظر سے بچنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے؟

جواب: (1) جب کوئی چیز اچھی لگے تو بارک اللہ کہیں۔ (موطا امام مالک) (2) اسی طرح ما شاء اللہ لا قوة الا باللہ پڑھنا قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ (الکھف: 37)

سوال 5: ﴿وَمَا أَعْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”اور میں تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنے والی) کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور میں تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنے والی) کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتا“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی یہ وضاحت کر دی کہ میری تدبیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی۔ تقدیر میں جو لکھا ہے ہو کر رہے گا۔ (2) مفسر ابوالسعود لکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ احتیاط بے کار چیز ہے۔ (تفسیر ابی السعود) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ (البقرہ: 195) (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو۔ (النساء: 102) (5) ان کا مقصد یہ بتانا تھا کہ احتیاط ہی مقصود اصلی نہیں ہے۔ بلکہ محض تدبیر ہے جسے مفید بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی ہے، وہ اللہ سے مدد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس سے بھاگ کر اسی کی جناب میں پناہ لینے والی بات ہے۔ (تیسر الرحمن: 690/1)

سوال 6: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ ”حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنِ الْحُكْمُ﴾ یعنی امر اور قضاء۔ (2) ﴿إِلَّا لِلّٰهِ﴾ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (3) یعنی فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور حکم وہی ہے جو اس کا حکم ہے۔ پس جس چیز کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دے وہ ضرور واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1270/2) (4) جو اللہ تعالیٰ چاہتا

ہے وہی ہوتا ہے۔ کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کی چاہت پوری ہو کر رہتی ہے۔

سوال 7: ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ”میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور لازم ہے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ”میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو میں نے تمہیں جن اسباب کو اختیار کرنے کی وصیت کی ہے میں ان پر اعتماد نہیں کرتا میں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں۔ (2) یعنی میں تو اپنے معاملات اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ (المیر التفاسیر: 687) (3) ﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ”اور لازم ہے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں“ توکل کرنے والوں کو اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا کوئی کفایت کرنے والا نہیں۔

سوال 8: توکل کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ایمان کے بڑے واجبات میں سے ہے جس کے زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ توکل رب رحمن کے قریب کرنے والے افضل اعمال اور دل کی عبادت میں سے ہے۔ توکل توحید کا اعلیٰ مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس سے استعانت طلب کئے بغیر بندہ سارے کاموں کو انجام دینے کے قابل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: توکل آدھا دین ہے اور آدھا دین انابت ہے۔ یقیناً دین استعانت (اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا) اور عبادت ہے۔ توکل استعانت ہے اور انابت عبادت ہے۔ (ابن قیم، مدارج السالکین: 113/2) سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا جماع الایمان ہے۔ (ابن ابی شیبہ: 202/7) (2) توکل کا تعلق واجبات، مستحبات اور مباحات سبھی سے ہے۔ مسلمان اپنے تمام کاموں میں توکل کرنا مستحب ہی نہیں بلکہ دینی فریضہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿i) قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَانكَبُوا عَلَيْكُمْ وَعَلَى اللَّهِ قَتْلُ الْإِنْسَانِ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۰﴾ ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا ”ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ پھر جب تم اس سے داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب ہونے والے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو، اگر تم مومن ہو۔“ (المائدہ: 23) (ii) ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایمان والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ (التغابن: 13) (3) توکل کے لغوی معنی: اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا، اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا، توکل اپنی عاجزی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔ (4) توکل کے اصطلاحی معنی: سیدنا حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: بندے کا اپنے رب پر توکل کرنے سے مراد یہ ہے کہ بندہ جانتا ہے کہ وہ قابل اعتماد ہے۔ ابن رجب کہتے ہیں کہ توکل دنیا اور آخرت کے تمام امور میں نفع کے حصول اور نقصان سے دور رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر دل کا سچا اعتماد ہے۔ (جامع العلوم والقلم: 437) ابو بکر الجزار می

لکھتے ہیں: اسباب کو کام میں لاتے ہوئے نتیجہ کو رب تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور ساتھ ہی یہ ایمان اور یقین رکھنا کہ کامیابی کا مدار اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت پر ہے توکل کہلاتا ہے۔ (عقیدۃ المؤمن: 153) (5) توکل دل کی عبادت ہے۔ دل کا یہ اعتماد کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔ توکل کرنے والا دل میں اس یقین کو جما کر کوشش کرتا ہے لیکن کوشش پر بھروسہ کرنے کی بجائے رب پر اعتماد کرتا ہے کہ میں جو کچھ بھی کر لوں، ہوگا وہی جو رب چاہے گا یا جس پر وہ راضی ہوگا اور جو وہ نہیں چاہے گا نہیں ہوگا۔ وہ کامل قدرت رکھنے والا، رازق، خالق، زندگی دینے والا، موت سے ہم کنار کرنے والا، کامل علم والا، کامل حکمت والا اپنے بندوں کے لئے کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ توکل میں استعانت شامل ہے۔ استعانت عبادت کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں اپنی عبادت اور استعانت اور اپنے اوپر توکل کو جمع کر دیا۔ توکل میں دو باتیں اکٹھی ہوتی ہیں: اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور اعتماد اور تدبیر کرنا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: توکل کاراز اور اس کی حقیقت دل کا اللہ وحدہ پر اعتماد کرنا ہے جس کو تدبیروں کا جمع کرنا نقصان نہیں دیتا لیکن اس کے ساتھ دل کا صرف ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور اس کی طرف جھکنا ہے۔ (الفوائد: 87) اسی وجہ سے اگر اسباب ختم بھی ہو جائیں تو توکل کرنے والے پر اثر انداز نہیں ہوتے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی اور موجود ہے۔ (6) رسول اللہ ﷺ کا تدبیر اختیار کرنا: رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے تھے۔ (i) آپ ﷺ نے احد کے دن دوزر ہیں پہنیں۔ (ii) فح مکہ کے روز آپ ﷺ نے سر پر خود پہنی۔ (iii) ہجرت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے عام راستے سے ہٹ کر راستہ اختیار فرمایا۔ نبی ﷺ نے اپنی امت کو بھی یہی تعلیم دی۔ (7) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (ترمذی: 2344) (8) سیدہ مریم علیہا السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا تھا جب کہ وہ حاملہ تھیں اور کمزور بھی جب کہ کھجور کا درخت مضبوط تھا۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَهُذِي حَبُّ إِلَيْكَ بِحِذْوِ الشَّجَرَةِ لَنْ نُسْقِظَ عَلَيْكَ مَطَبًا جَدِيًّا﴾ اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تمہارے اوپر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔ (مریم: 25) (9) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: توکل اللہ تعالیٰ کے واجبات میں سے بڑا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے کا حکم دیا ہے جیسے جنابت سے وضو اور غسل کرنے کا حکم دیا ہے اور غیر اللہ پر توکل کرنے سے منع کیا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: 16) (10) نبی ﷺ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کلمہ حبسنا اللہ ونعم الوکیل ابرہیم علیہ السلام نے کہا تھا: اس وقت جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور یہی کلمہ محمد ﷺ نے اس وقت کہا تھا جب لوگوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے کہا تھا کہ لوگوں (یعنی قریش) نے تمہارے خلاف بڑا سامان جنگ اکٹھا کر رکھا ہے ان سے ڈرو لیکن اس بات نے ان مسلمانوں کا (جوش) ایمان اور بڑھادیا اور یہ مسلمان بولے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کام بنانے والا ہے۔ (بخاری: 4563)

﴿وَلَبَّآ دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۗ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۗ وَإِنَّهُ لَدُوٌّ عَلِيمٌ لِبَاءِ عَمَلِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (68)

”اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی چیز ان سے ہٹانے نہیں سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جس کو اس نے پورا کیا اور بلاشبہ وہ یقیناً صاحب علم تھا اس لئے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ (68)

سوال 1: ﴿وَلَبَّآ دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۗ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا﴾ ”اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی چیز ان سے ہٹانے نہیں سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جس کو اس نے پورا کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَبَّآ﴾ ”اور جب“ یعنی جب برادران یوسف وہاں سے روانہ ہو گئے۔ (2) ﴿دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ﴾ ”وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی“ تو سب بھائی اپنے والد یعقوب عليه السلام کی وصیت کے مطابق کئی دروازوں سے داخل ہونے کے لیے الگ ہو گئے۔ (3) ﴿مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی چیز ان سے ہٹانے نہیں سکتا تھا“ سیدنا یعقوب عليه السلام کی تدبیر سے تقدیر ٹل نہیں سکی۔ وہ تدبیر جو آفت سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنے بیٹوں کے لیے اختیار کی تھی۔ (4) ﴿إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا﴾ ”مگر یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جس کو اس نے پورا کیا“ یعنی وہ خواہش تو اولاد کی محبت کے باعث تھی جس کی وجہ سے انہیں اطمینان ہو گیا۔ بس ان کے دل میں ایک خیال تھا جسے انہوں نے پورا کر لیا۔

سوال 2: ﴿وَإِنَّهُ لَدُوٌّ عَلِيمٌ لِبَاءِ عَمَلِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور بلاشبہ وہ یقیناً صاحب علم تھا اس لئے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے یعقوب عليه السلام کے علم کی تعریف فرمائی ہے ﴿وَإِنَّهُ لَدُوٌّ عَلِيمٌ﴾ ”اور بلاشبہ وہ یقیناً صاحب علم تھا“ وہ عظیم علم کے مالک تھے۔ (2) ﴿لِبَاءِ عَمَلِهِ﴾ ”اس لئے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا“ یعنی انہوں نے اپنی قوت و اختیار سے اس کا ادراک نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا عطا کردہ علم کا فرما تھا۔ (تفسیر سعدی: 1271/2) (3) ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں“ یعنی وہ چیز نہیں جانتے جو یعقوب عليه السلام اپنے دینی معاملات کے بارے میں جانتے تھے۔ (قرطبی: 161,160/5) (4) یعنی اکثر لوگ نہیں جانتے کہ کیسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی ایسے علوم کی طرف راہ نمائی فرماتا ہے جو دنیا اور آخرت میں ان کے لیے نفع مند ہوتے ہیں اور ان علوم میں سے ہے ظاہری اسباب کو اختیار کر کے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ (تفسیر

منیر: (2817) (5) اکثر لوگ معاملات کے انجام اور اشیاء کی باریکیوں کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اہل علم پر بھی علم، احکام اور اس کے لوازم میں سے بہت کچھ مخفی رہ جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1271)

رکوع نمبر: 9

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أُولَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (69)﴾

”اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی جگہ دی، اس نے کہا: ”بلاشبہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں، سو ان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں۔“ (69)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أُولَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی جگہ دی، اس نے کہا: ”بلاشبہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں، سو ان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ﴾ ”اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے“ جب برادران یوسف علیہ السلام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ سیدنا یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین بھی تھا۔ (2) ﴿أُولَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ﴾ ”تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی جگہ دی“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو پاس بلا کر بٹھایا۔ انہیں شاہی مہمان خانے میں رکھا۔ ان کی خوب مہمان نوازی کی اور انتہائی محبت سے پیش آئے۔ (3) یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں سے الگ کر لیا اور کھانے اور رات کے اوقات میں انہیں اپنے پاس رکھا۔ (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے ہر کمرے میں سونے کے لیے دو دو افراد کو رکھا اور وہ گیارہ بھائی تھے۔ بنیامین بچ گیا تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے ساتھ سوئے گا۔ (ایسر التفسیر: 687) (5) ﴿قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ﴾ ”اس نے کہا: ”بلاشبہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی تو اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ (6) ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”سو ان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں“ بھائیوں نے آپ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا اس پر غم نہ کرنا، ان کی باتوں سے دل برا نہ کرنا۔ (7) یعنی غم زدہ نہ ہو کیونکہ ہماری عاقبت اچھی ہے، پھر انہوں نے بنیامین کو اپنے اس منصوبے اور حیلے سے آگاہ کیا جس کے مطابق یوسف علیہ السلام، بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے جب تک کہ معاملہ اپنے انجام کو نہیں پہنچ جاتا۔ (تفسیر سعدی: 2/1272)

سوال 2: سیدنا یوسف علیہ السلام کا کردار ایک مثالی بھائی کا کردار ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یوسف علیہ السلام کی شخصیت کے نمایاں اوصاف ان کا علم، حلم، حیا، مکارم اخلاق اور اس کے دین کی طرف دعوت ہے۔ (2) بطور بھائی کے سیدنا یوسف علیہ السلام کا کردار مثالی ہے۔ وہ جن بھائیوں کے درمیان رہتے تھے وہ ایک نبی کے بیٹے تھے مگر جھوٹ بولتے

تھے اور حسد میں مبتلا تھے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام اور ان کے والد کو جدا کرنے کے لیے انہوں نے بار بار جھوٹ بولا اور یوسف علیہ السلام کی قمیص اور خون کے سلسلے میں والد کے سامنے جھوٹا فسانہ گھڑا۔ اس افسانے کو گھڑنے کے لیے ان کے درمیان بحث ہوئی ہوگی اور بحث میں افترا پر دازی اور جھوٹی خبریں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ گناہوں کی نحوستیں ہیں۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ قول ﴿فَلَا تَبْتَسُّ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ”سوان باتوں کا غم نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں“ دلیل ہے کہ ان کے اندر عنفوا ورتساح، بھائی کے لیے محبت کا اظہار، ماضی کو بھلا دینے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی صفات پائی جاتی تھیں۔ ان صفات کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ آئندہ وقت گزارنا چاہتے تھے۔ (تفسیر مزیر: 36,37/7) (4) سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے ماں باپ کے ساتھ عظیم حسن سلوک کرنے والے اور اپنے بھائیوں اور ساری مخلوقات کے ساتھ بھلائیاں کرنے والے تھے۔ (5) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے گناہ گار بھائیوں کو معاف کر دیا اور اس معافی کو یہ کہہ کر مکمل کر دیا کہ وہ ان سے مواخذہ نہیں کریں گے اور انہیں ان کے جرم کی عار نہیں دلائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مثالی بھائی وہ ہے جو مکارم اخلاق کا حامل ہو، معاف کر سکتا ہو۔ علم اور حلم کے بغیر ایسے کردار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ سیدنا یوسف علیہ السلام پر اپنی ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ ان کی زندگی ہر بھائی کے لیے مثال ہے۔ وہ علم میں بھی بے مثال تھے، عنف و درگزر اور حیا میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر بھائی کو علم، حلم، حیا اور عنف و درگزر کے لیے کوششیں کرنے والا بنائے۔ (آمین)

﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَدْخَلَ مَوَدِّئِ أَيْتِهَا الْعِزْرُ إِنَّكُمْ لَسِرُّونَ﴾ (70)

”پھر جب یوسف نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو اپنے پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا۔ پھر ایک اعلان

کرنے والے نے اعلان کیا: ”اے قافلے والو! بلاشبہ یقیناً تم لوگ چور ہو۔“ (70)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلِ أَخِيهِ﴾ ”پھر جب یوسف نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو اپنے پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”پھر جب یوسف نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کو رخصت کرنے کا ارادہ کیا تو ہر ایک کے اونٹ پر غلہ لدوایا، ان میں بنیامین بھی تھا۔ (2) ﴿جَعَلَ السَّقَايَةَ﴾ ”تو اپنے پینے کا برتن یعنی وہ پیالہ جس سے اناج کو بھی ناپا جاتا ہے اور اس میں پانی بھی پیا جاتا ہے۔ (3) ﴿فِي رَاحِلِ أَخِيهِ﴾ ”اپنے بھائی کے کجاوے میں“ یعنی بنیامین کے سامان میں۔ (4) سیدنا یوسف علیہ السلام نے ایک غلام کو حکم دیا کہ شاہی کٹورا جو چاندی یا سونے کا تھا بنیامین کے سامان میں چھپا دیا جائے۔ (مختصر ابن کثیر: 89/1) (5) سیدنا یوسف علیہ السلام کے غلام نے انتہائی ہوشیاری سے وہ پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا۔

سوال 2: ﴿ثُمَّ أَدْخَلَ مَوَدِّئِ أَيْتِهَا الْعِزْرُ إِنَّكُمْ لَسِرُّونَ﴾ ”پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: ”اے قافلے والو! بلاشبہ یقیناً

تم لوگ چور ہو، کی وضاحت کریں؟

جواب: پھر جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنا سامان سمیٹ لیا اور قافلہ چل پڑا تو ایک اعلان کرنے والے نے کہا: اے قافلے والو! تم چور ہو۔ ان لوگوں نے جب وہ پیالہ نہ پایا تو قافلے والوں پر چوری کا الزام لگا دیا۔

﴿ قَالُوا وَاقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴾ (71)

”انہوں نے کہا، اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے: ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟“ (71)

سوال 1: ﴿ قَالُوا وَاقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴾ (71) ”انہوں نے کہا، اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے: ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوا ﴾ ”انہوں نے کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا۔ (2) ﴿ وَاَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ ﴾ ”اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے“ اعلان کرنے والے کی آواز سن کر بھائیوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ان کے پاس واپس آ گئے۔ (3) ﴿ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴾ ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟“ انہوں نے اعلان کرنے والوں سے پوچھا کیا بات ہے؟ تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ (4) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تہمت کو دور کرنے کے لیے اعلان کرنے والوں کی طرف رخ کیا۔ (5) چور ہمیشہ اس شخص سے دور ہونے کی کوشش کرتا ہے جس کی اس نے چوری کی ہوتا کہ اس کی چوری پکڑی نہ جائے اور یہ لوگ ان کے پاس آ گئے۔ تہمت کے ازالے کے سوا ان کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ (تفسیر سعدی: 1273/2)

﴿ قَالُوا انْفِقُوا صِوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِطْلٌ يُعْطَىٰ وَ اَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴾ (72)

”انہوں نے کہا: ”ہم بادشاہ کا پیانہ گم پاتے ہیں اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا اور میں اس کا ضامن

ہوں۔“ (72)

سوال: ﴿ قَالُوا انْفِقُوا صِوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِطْلٌ يُعْطَىٰ وَ اَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴾ ”انہوں نے کہا: ”ہم بادشاہ کا پیانہ گم پاتے ہیں اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوا انْفِقُوا صِوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ ”انہوں نے کہا: ”ہم بادشاہ کا پیانہ گم پاتے ہیں“ انہوں نے شاہی پیانے کے گم ہو جانے کی اطلاع دی۔ (2) ﴿ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِطْلٌ يُعْطَىٰ ﴾ ”اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا“ یعنی جو بادشاہ کا پیانہ ڈھونڈ کر لائے گا اس کو ایک اونٹ کے وزن کے مطابق اناج ملے گا اور یہ اس کا انعام ہوگا۔ (3) ﴿ وَ اَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴾ ”اور میں اس کا ضامن

سوال: ﴿قَالُوا جَزَاءُ مَا فَعَلْتُمْ نَسْفَاقًا وَسِحْرًا أَضَلُّ مِنْ دُجْدَانِ الرَّحْلِ فَهَوْجَزَاءُ أَوْهٗ﴾ ” انہوں نے کہا: ” اس کی جزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے سو وہی اس کی جزا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا جَزَاءُ مَا فَعَلْتُمْ نَسْفَاقًا وَسِحْرًا أَضَلُّ مِنْ دُجْدَانِ الرَّحْلِ فَهَوْجَزَاءُ أَوْهٗ﴾ ” انہوں نے کہا: ” اس کی جزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے سو وہی اس کی جزا ہے“ برادران یوسف علیہ السلام نے جواب دیا جس کے سامان میں پیالہ دیا جائے اس کی جزا یہ ہے کہ جس کی چوری کی گئی ہے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ (2) ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ” ہم ظالموں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں“ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ تھی کہ چور مال مسروقہ کے مالک کی ملکیت بن جاتا تھا جب اس پر چوری کا الزام ثابت ہو جاتا تھا۔ (3) مفسرین کہتے ہیں کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں چور کی یہی سزا مقرر تھی کہ وہ ایک برس تک اس شخص کی غلامی میں دے دیا جائے جس کا مال اس نے چرایا ہو۔ (فتح القدیر) (اشرف) (4) یوسف علیہ السلام کی غرض بھی یہ تھی کہ بنیامین ان کے پاس رہیں۔

﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهُمَا مِنْ وِعَاءِ آخِيهِ ۖ كَذٰلِكَ كُنَّا لِيُوسُفَ ۙ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ ۙ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ ۗ اللهُ ۙ تَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مِّنْ لِّشَاءِ ۗ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾﴾



” چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا، اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتا تھا سو اسے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے، ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (76)

سوال 1: ﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهُمَا مِنْ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ” چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهُمَا مِنْ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ” چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا“ تلاشی لینے والوں نے بنیامین کے سامان سے پہلے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے سامان کی یکے بعد دیگرے تلاشی لی تاکہ شک نہ رہے کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔ (2) ﴿ثُمَّ اسْتَخْرَجَهُمَا مِنْ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ” پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے اسے نکال لیا“ پھر جب برادران یوسف علیہ السلام کے سامان سے کچھ نہ ملا تو شاہی پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد کر لیا۔ (3) یعنی حقیقت واقعہ کی رعایت رکھتے ہوئے (وجدھا) یا (سرقھا) نہیں کہا۔ اس طرح یوسف علیہ السلام کے اس منصوبے کی تکمیل ہوگئی جس کے مطابق وہ اپنے بھائی کو اس طرح اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے کہ ان کے بھائیوں کو اصل صورت حال کا علم نہ ہو۔ (تفسیر

(سعدی: 2/1273, 1274)

سوال 2: ﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ الْيُوسُفُ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِذْ أَنْتَبَأَهُ اللَّهُ﴾ ”اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتا تھا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ الْيُوسُفُ﴾ ”اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی“ یعنی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی خاطر تدبیر کی جس کی وجہ سے وہ ایسے طریقے سے اپنے بھائی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، کیونکہ اس میں مصلحت تھی کیونکہ مصری قانون کے مطابق سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو نہیں روک سکتے تھے۔ (2) ﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِذْ أَنْتَبَأَهُ اللَّهُ﴾ ”وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتا تھا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے“ یعنی مصر کے قانون کے مطابق چوری کے بدلے میں بندے کو نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ بندے کو مارا جاتا تھا اور اس سے تاوان لیا جاتا تھا۔ (3) مصر کا شاہی قانون یہ تھا کہ چور کو پھانسیا جائے اور اس سے چوری کے مال کے علاوہ اتنا ہی مال اور لے کر اس شخص کو دے دیا جائے جس کا مال چوری ہوا ہے۔ اس قانون کی رو سے چور کو غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ (ابن کثیر) (شوکانی) (4) یعنی بادشاہ کے قانون کے مطابق مال مسروقہ کے مالک کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ چور کا مالک بن سکے۔ ان کے ہاں چوری کی کوئی اور سزا تھی۔ اگر فیصلہ بادشاہ کے قانون کے مطابق ہوتا تو یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے۔ اس لئے سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فیصلہ کروایا، تاکہ ان کے منصوبے کی تکمیل ہو۔ (تفسیر سعدی: 2/1274) (5) ﴿إِذْ أَنْتَبَأَهُ اللَّهُ﴾ ”سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسا چاہے“ یعنی جو وہ حکم دیتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ (6) اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے چور کی سزا دریافت کرتے، نہ بھائی بتاتے اور نہ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ہاں رکھ سکتے۔ (اشرف: 1/294)

سوال 3: ﴿كَرَّمَ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّسَاءٍ ۖ وَقَوَّىٰ كَلِمَٰتِ ذِي الْعِلْمِ عَلَيْهِ ۖ﴾ ”ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ یعنی علم میں درجات بلند کر دیتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کا درجہ بلند کیا۔ (ایسر التفسیر: 689) (2) سیدنا یوسف علیہ السلام کو شریعت براہمی کا علم تھا۔ شریعت کا علم ہی درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی علماء تھے اور اپنے بھائیوں کے مقابلے میں وہ شریعت کا زیادہ علم رکھتے تھے اسی وجہ سے رب العزت نے ان کا مقام اور مرتبہ بلند کر دیا۔ (4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔ (الجمادہ: 11)

سوال 4: ﴿وَقَوَىٰ كُلٌّ دِينًا عَلَيْهِمْ ۝﴾ ”اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور ہر صاحب علم سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے“ یعنی ہر صاحب علم کے اوپر ایک شخص ہوتا ہے جو اس سے زیادہ علم رکھتا ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ غائب اور موجودہ کا علم رکھنے والی ہستی تک جا پہنچتا ہے۔ (تفسیر سعدي: 2/1274) (2) اللہ تعالیٰ سب سے بڑا عالم ہے اس سے بڑھ کر کوئی نہیں اس کا علم ذاتی ہے اور دوسروں کا علم وہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1/893) (3) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے علم کے ذریعہ یوسف کو بلند مقام دیا، اسی طرح ہم جسے چاہتے ہیں علوم و معارف دے کر اس کے ہم عصروں میں اسے عالی مقام بنا دیتے ہیں اور ہر علم والے سے بڑا علم والا ہوتا ہے، اسی لیے حسن بصری کہا کرتے تھے کہ ہر علم والے سے بڑا علم والا ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑا کوئی عالم نہیں، اور اس کا علم بجز بے کنار ہے۔ (تیسیر الرحمن: 1/692) (4) کسی عالم کا علم کلی نہیں لہذا کوئی علم والا دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میرا علم زیادہ ہے کہ ہر ذی علم سے اوپر علم والا موجود ہے۔

﴿قَالُوا إِنْ يَسِّرْهُ فَقَدْ سَرَّيْنَا لَهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاسْرَاهَا يُوَسِّفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۗ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ

مَكَائِلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ (77)﴾

”انہوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“ تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہیں کیا، اس نے کہا: ”تم بے درجے کے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے۔“ (77)

سوال 1: ﴿قَالُوا إِنْ يَسِّرْهُ فَقَدْ سَرَّيْنَا لَهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاسْرَاهَا يُوَسِّفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۗ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَائِلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ (77)﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا إِنْ يَسِّرْهُ فَقَدْ سَرَّيْنَا لَهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاسْرَاهَا يُوَسِّفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۗ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَائِلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ (77)﴾ ”انہوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے“ جب بنیامین کے سامان سے شاہی پیمانہ مل گیا تو بھائیوں نے کہا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (2) ﴿فَقَدْ سَرَّيْنَا لَهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاسْرَاهَا يُوَسِّفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۗ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَائِلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ (77)﴾ ”تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ یہ ان کی جانب سے یوسف علیہ السلام پر بہتان تھا۔ انہوں نے الزم لگا کر یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کا مرتبہ گھٹانے کی کوشش کی۔ (3) اپنی پاک بازی ظاہر کرنے کے لئے فوراً اپنے آپ کو بنیامین سے الگ کر لیا اور اس کے جرم کو بہانہ بنا کر اس کے بھائی پر بھی چوری کی جھوٹی تہمت لگا دی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے کے بعد بنیامین کے ساتھ یہ بھائی کیا سلوک کرتے رہے ہوں گے۔ (اشرف الحواشی: 1/294)

سوال 2: ﴿فَاسْرَاهَا يُوَسِّفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۗ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَائِلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ (77)﴾ ”تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اسے ان پر ظاہر

نہیں کیا، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاسْرَاهُ يَوْسُفُ فِي نَفْسِهِ﴾ ”تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا“ یوسف علیہ السلام نے چوری کا الزام سنا تو ایک بات دل میں رکھی۔ (2) ﴿وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ ”اور اسے ان پر ظاہر نہیں کیا“ انہوں نے اپنے بھائیوں کے سامنے رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ انہوں نے معاملے کو اپنے دل میں رکھ لیا اور غصے کو پی گئے۔

سوال 3: ﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ ”اس نے کہا: ”تم برے درجے کے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا﴾ ”اس نے کہا: ”تم برے درجے کے لوگ ہو“ یوسف علیہ السلام نے جو بات اپنے دل میں چھپائی وہ یہ تھی کہ تم کم درجے کے لوگ ہو جو مجھ پر الزام عائد کر رہے ہو۔ (2) ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہارا الزام جھوٹا ہے اور ہم اس بہتان سے بری ہیں۔

﴿ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَكَ أباً شَيْخاً كَبِيراً فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۗ إِنَّا نُرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (78) ﴾

”انہوں نے کہا: ”اے عزیز! بلاشبہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔“ (78)

سوال: ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَكَ أباً شَيْخاً كَبِيراً فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۗ إِنَّا نُرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے عزیز! بلاشبہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ ”انہوں نے کہا“ برادران یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر کہا جب بنیامین کے بارے میں فیصلہ ہو گیا کہ بادشاہ انہیں نہیں چھوڑے گا۔ (2) ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ﴾ ”اے عزیز!“ انہوں نے خوشامد کرتے ہوئے بادشاہ سے کہا۔ (3) ﴿إِنَّ لَكَ أباً شَيْخاً كَبِيراً﴾ ”بلاشبہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے“ یعنی یعقوب علیہ السلام بہت بوڑھے ہیں، بیٹے کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ (4) ﴿فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ﴾ ”سو اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے“ ہم میں سے جس کو چاہیں اس کے بدلے روک لیں۔ (5) ﴿إِنَّا نُرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ ”بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں“ ہم آپ کو نیک اور انصاف کرنے والا دیکھتے ہیں امید ہے کہ آپ ہم پر اور ہمارے والد پر احسان کریں گے۔

﴿ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ إِذَا إِذَا الظَّالِمُونَ (79) ﴾

”یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا ہے اس کے ماسوا کسی اور کو رکھیں تب تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔“ (79)

سوال: ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ إِذَا إِذَا الظَّالِمُونَ ﴾ ”یوسف نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا ہے اس کے ماسوا کسی اور کو رکھیں تب تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ ”کہا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا ہے اس کے ماسوا کسی اور کو رکھیں“ یعنی ہماری طرف سے یہ بہت بڑا ظلم ہوگا اگر ہم ایک بے گناہ انسان کو اس کے بدلے میں پکڑ لیں جس کے پاس سے ہمارا مال نکلا ہے۔ (3) سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ اس کے بدلے میں جس نے چوری کی ہے، ایسا کہنا جھوٹ ہوتا کیونکہ بنیامین چور نہیں تھے۔ (4) ﴿ إِذَا إِذَا ﴾ ”تب تو ہم ہوں گے“ یعنی جس کے پاس سے ہمارا مال نکلا ہے اس کی جگہ کسی اور کو پکڑ لیں تو۔ (5) ﴿ الظَّالِمُونَ ﴾ ”یقیناً ظالم“ تو ہم بہت بڑا ظلم کرنے والے ہوں گے کیونکہ ہم ایسی صورت میں ایسے شخص کو سزا دیں گے جو مجرم نہیں، جو سزا کا مستحق نہیں۔

رکوع نمبر 10

﴿ فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۗ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ آبَاءَكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أْبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْتِيَ لِي آيٌ أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۗ وَهُوَ خَبِيرٌ

الْحَكِيمِينَ (80) ﴾

”چنانچہ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے، ان کے بڑے نے کہا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشبہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لے رکھا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو، چنانچہ میں یہ زمین ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرا کوئی فیصلہ فرمائیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔“ (80)

سوال 1: ﴿ فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۗ ﴾ ”چنانچہ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا اسْتَمْتَعُوا مِنْهُ﴾ ”چنانچہ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے“ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے چھڑانے سے مایوس ہو گئے۔ (2) ﴿خَاصُّوْا نَجْوَا﴾ ”تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے“ انہوں نے آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ اب کیا کریں کہ بنیامین تو گرفتار ہو گئے اور کسی صورت چھوٹ نہیں سکتے جب کہ ہم اپنے والد سے ان کے واپس لانے کا پختہ عہد کر کے ان کی ذمہ داری لے کر آئے ہیں۔

سوال 2: ﴿قَالَ كَيْدُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اٰبَاكُمْ قَدْ اٰخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوْسُفَ ۗ فَلَنْ اُبْرِحَ اِلَّا مَرَضًا حَلٰلًا يَّادُنَ لِيْ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمُ اللّٰهُ لِيْ ۗ وَهُوَ حَكِيْمٌۭ الْعَلِيْمُنَ﴾ ”ان کے بڑے نے کہا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشبہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لے رکھا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو، چنانچہ میں یہ زمین ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرا کوئی فیصلہ فرمائیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَيْدُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اٰبَاكُمْ قَدْ اٰخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِنَ اللّٰهِ﴾ ”ان کے بڑے نے کہا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشبہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لے رکھا ہے؟“ بڑے بھائی روبیل یا یہودا (یہ وہی تھے جنہوں نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشورہ دیا تھا کہ انہیں قتل نہ کرو بلکہ کسی کنویں میں ڈال آؤ) نے کہا بھائیو! تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہم نے اپنے والد سے بنیامین کے واپس لانے کے سلسلے میں کیا عہد کیا ہے۔ افسوس اب ہم نہ انہیں منہ دکھا سکتے ہیں اور نہ بھائی کو شاہی گرفتاری سے چھڑا سکتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 895/1) (2) ﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوْسُفَ﴾ ”اور اس سے پہلے یوسف کے سلسلے میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو“ بڑے بھائی نے یاد دلایا کہ اس سے پہلے تم یوسف علیہ السلام کے بارے میں کیسی کوتاہی کے مرتکب ہو چکے ہو۔ کیسے آنکھوں دیکھتے ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں کھو دیا تھا۔ (3) بڑے بھائی نے دو امور کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ (i) سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ماضی میں کی جانے والی کوتاہی۔ (ii) چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر نہ جانا۔ (4) ﴿فَلَنْ اُبْرِحَ اِلَّا مَرَضًا﴾ ”چنانچہ میں یہ زمین ہرگز نہیں چھوڑوں گا“ بڑے بھائی نے کہا میں تو یہاں سے یعنی سرزمین مصر سے نہیں جاؤں گا یعنی اس کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ (ایسرالتفاسیر: 690, 691) (5) ﴿حَلٰلًا يَّادُنَ لِيْ اَبِيْٓ﴾ ”یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں“ یعنی میں تو اس وقت تک یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک کہ والد مجھے اجازت نہ دیں۔ (6) ﴿اَوْ يَحْكُمُ اللّٰهُ لِيْ﴾ ”یا اللہ تعالیٰ میرا کوئی فیصلہ فرمائیں“ یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے اکیلے یا بھائی کے ساتھ آنا مقدر کر دے۔ (تفسیر سعدی: 1276/2) (7) ﴿وَهُوَ حَكِيْمٌۭ الْعَلِيْمُنَ﴾ ”اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ بہترین حاکم ہے۔ شاید کسی تدبیر کو بھادے کہ میں اپنے بھائی کو چھڑانے میں کامیاب ہو جاؤں۔

﴿ اِرْجِعُوْا اِلَىٰ اٰبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يَا اٰبَانَا اِنَّ اَبْنَكَ سَرَقٌ ۚ وَ مَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَ مَا كُنَّا لِنَعْتَبِ

حُفُوْطِيْنَ ﴿ 81 ﴾

”تم اپنے والد کے پاس جاؤ۔ سو اس سے کہو: ”اے ہمارے ابا جان! یقیناً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے تو صرف اسی بات کی گواہی دی ہے جو ہمیں معلوم ہے اور غیب کی حفاظت کرنے والے تو ہم نہیں ہیں۔“ (81)

سوال 1: ﴿ اِرْجِعُوْا اِلَىٰ اٰبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يَا اٰبَانَا اِنَّ اَبْنَكَ سَرَقٌ ﴾ ”تم اپنے والد کے پاس جاؤ۔ سو اس سے کہو: ”اے ہمارے ابا جان! یقیناً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِرْجِعُوْا اِلَىٰ اٰبِيْكُمْ ﴾ ”تم اپنے والد کے پاس جاؤ“ بڑے بھائی نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ اپنے والد کے پاس جا کر سارا واقعہ کہہ سناؤ۔ (2) ﴿ فَقُوْلُوْا يَا اٰبَانَا اِنَّ اَبْنَكَ سَرَقٌ ﴾ ”اے ہمارے ابا جان! یقیناً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے“ یعنی یہ بتاؤ کہ وہ چوری کے الزام میں دھریا گیا ہے، اس لیے ہم کوشش کے باوجود اسے اپنے ساتھ نہیں لاپائے۔

سوال 2: ﴿ وَ مَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَ مَا كُنَّا لِنَعْتَبِ حُفُوْطِيْنَ ﴾ ”اور ہم نے تو صرف اسی بات کی گواہی دی ہے جو ہمیں معلوم ہے اور غیب کی حفاظت کرنے والے تو ہم نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ مَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا ﴾ ”اور ہم نے تو صرف اسی بات کی گواہی دی ہے جو ہمیں معلوم ہے“ یعنی ہم غیب کے بارے میں تو نہیں جانتے اور ایسی چیز کے بارے میں ہم گواہی نہیں دیتے جو ہمارے سامنے نہیں تھی۔ (2) ﴿ وَ مَا كُنَّا لِنَعْتَبِ حُفُوْطِيْنَ ﴾ ”اور غیب کی حفاظت کرنے والے تو ہم نہیں ہیں“ یعنی ہم غیب کا علم رکھنے والے نہیں تھے۔ ہم سے تو چوری سزا پوچھی گئی تو ہم نے اپنے دین کے مطابق بتا دی۔ ہم نے تو دیکھا کہ بادشاہ کا پیالہ بنیامین کی خرجی سے نکلا ہے۔ (3) اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش کرتے نہ اس کو ساتھ لے جانے کے لیے اتنی کوشش کرتے اور نہ آپ کو کوئی عہد دیتے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ (تفسیر سعدی: 2/1276)

﴿ وَ سَأَلَ النُّزِيَةَ اَتَيْتِ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ اَتَيْتِ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۗ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿ 82 ﴾

”اور آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ہم سچے ہیں۔“ (82)

سوال: ﴿ وَ سَأَلَ النُّزِيَةَ اَتَيْتِ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ اَتَيْتِ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۗ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ ”اور آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیں جس

میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ہم سچے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَسَلِّ﴾ ”اور آپ پوچھ لیں“ یعنی آپ ہماری بات پر یقین نہیں رکھتے تو۔ (2) ﴿الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا﴾ ”اس بستی کے لوگوں سے جس میں ہم تھے“ اہل مصر سے پوچھ لیں اور اس قافلے سے دریافت کر لیں، جس کے ساتھ ہم آئے ہیں جو کنعانیوں میں سے ہیں، وہ لوگ اس بارے میں پوری معلومات رکھتے ہیں۔ (3) ﴿وَأَنَّ الصُّدُوفُونَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم سچے ہیں“ ہم نے واقعات بھی درست بتائے ہیں، جھوٹ نہیں بولا اور بنیامین کی حفاظت کرنے میں بھی ہم سچے ہیں۔ قافلے والے ہماری صداقت، امانت اور حفاظت کے گواہ ہیں۔ واقعات یہی پیش آئے ہیں۔ بنیامین چوری کے الزام میں پکڑ لیے گئے ہیں۔

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبِّرْ ۖ جَبِيلٌ ۗ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِيلًا ۗ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ

الْحَكِيمُ﴾ (83)

”اس نے کہا:“ بلکہ تمہارے دل نے ایک کام کو مزین بنا دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا، بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“ (83)

سوال 1: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبِّرْ ۖ جَبِيلٌ﴾ ”اس نے کہا:“ بلکہ تمہارے دل نے ایک کام کو مزین بنا دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے سارے واقعات سن کر وہی جواب دیا جو مدتوں پہلے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے گم جانے کے موقع پر کہے تھے۔ جب ان کے بیٹوں نے ان سے یوسف علیہ السلام کی خون سے بھری ہوئی قمیص دیتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں بھینٹا کھا گیا۔ اس موقع پر سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ ”بلکہ تمہارے دل نے ایک کام کو مزین بنا دیا ہے“ یعنی تمہارے نفسوں نے ایک بات بنالی ہے۔ نہ تو یوسف علیہ السلام کو بھینٹے نے کھایا ہے، نہ بنیامین نے چوری کی ہے۔ (3) ﴿فَصَبِّرْ ۖ جَبِيلٌ﴾ ”سو (میرا کام) اچھا صبر ہے“ یعنی میں اس معاملے میں صبر جمیل کی پناہ لیتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناراضی ہے نہ بے صبری کا مظاہرہ اور نہ مخلوق کے پاس شکوہ۔ (تفسیر سعدی: 2/1277) (4) رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ صَبِيرًا وَعَفْفَرًا إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کر دے، تو بلاشبہ یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (الثوری: 43) (5) ابو مالک، حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صبر روشنی ہے۔ (مسلم: 534) (6) سیدنا ابوسعید سعد بن سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بچا لیتا ہے، جو بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (لوگوں سے) بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور کوئی شخص ایسا عطیہ نہیں دیا گیا،

جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔“ (بخاری: 1469) (7) سیدنا ابو یحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہو، (اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے، تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، تو یہ (صبر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے) (مسلم: 7500) (8) نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الصبر والسماحة صبر اور سیر چشمی۔ (بخاری: کتاب الادب) (9) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات میرے ہاں ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی۔ میں نے اس لڑکے کا نام اپنے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے وہ لڑکا ام سیف کو دے دیا جو کہ ایک لوہار کی بیوی تھی اور اس لوہار کو ابوسفیف کہا جاتا تھا (ایک دن) آپ ﷺ ابوسفیف کی طرف چلے اور میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب ہم ابوسفیف کے ہاں پہنچے تو وہ اپنی لوہے کی بھٹی دھونک رہے تھے اور ان کا گھر دھوئیں سے بھرا ہوا تھا تو میں نے جلدی جلدی رسول اللہ ﷺ سے پہلے جا کر اس سے کہا: اے ابو سیف! ٹھہر جاؤ! رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں تو وہ ٹھہر گئے۔ نبی ﷺ نے بچے کو بلایا اور اسے آپ ﷺ نے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور آپ ﷺ نے وہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بچے کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دم توڑ رہا ہے (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: آنکھیں اشک آلود ہیں اور دل غم زدہ ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے کہ جس سے ہمارا رب راضی نہ ہو۔ اللہ کی قسم! اے ابراہیم! ہم تیری وجہ سے غم زدہ ہیں۔ (مسلم: 6025) (10) سیدنا اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام، آپ ﷺ کے محبوب اور محبوب کے بیٹے سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیٹی نے آپ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کا آخری وقت ہے، آپ ﷺ تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ وہ سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ لے وہ بھی اسی کا ہے اور جو دے وہ بھی اسی کا ہے۔ اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں۔“ صاحب زادی نے پھر پیغام بھیجا اور قسم دیتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور کچھ اور آدمیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا جب کہ اس کی جان بے چین اور مضطرب تھی۔ (اس کی یہ حالت دیکھ کر) آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جذبہ شفقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے“ اور ایک روایت میں ہے جن بندوں کے دلوں میں چاہا اور اللہ تعالیٰ اپنے انہی بندوں پر رحم فرماتا ہے جو (دوسروں پر) مہربان ہوتے ہیں۔ (بخاری: 1284) (11) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے میرا وہ مومن بندہ جس کی محبوب ترین چیز میں واپس لے لوں، لیکن وہ اس پر ثواب کی نیت سے (صبر و رضا کا مظاہرہ کرے) اس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے۔“ (بخاری: 6424) (12) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے بندے کو اس کی دو بیماری چیزوں کے ذریعے سے (یعنی آنکھوں سے محروم کر کے) آزماؤں پس وہ اس پر صبر کرے تو میں اس کے بدلے اسے جنت دوں گا۔ (بخاری: 5653) (13) عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے کہا، کیوں نہیں، (ضرور دکھلائے!) انہوں نے فرمایا: یہ کالی عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے جس سے میں ننگی ہو جاتی ہوں، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں (کہ اس بیماری سے نجات مل جائے)۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تو چاہے تو اس تکلیف پر صبر کر، اس کے بدلے تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تجھے اس بیماری سے عافیت دے دے۔ اس نے کہا: میں صبر ہی اختیار کرتی ہوں۔ تاہم (دورے کے وقت) میں ننگی ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ میں ننگی نہ ہوا کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے یہ دعا فرمائی۔ (بخاری: 5652) (14) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے جلد ہی دنیا میں سزا دے دیتا ہے اور جب بندے سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے گناہ کی سزا سے روک رکھتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دے گا۔ اس سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”بڑا ثواب بڑی آزمائش کے ساتھ ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ محبت کرتا ہے تو ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے جو اس آزمائش پر راضی ہو تو اس کے لیے رضا ہے۔ جو اس آزمائش پر ناراض ہو تو اس کے لیے ناراضگی ہے۔“ (ترمذی: 2396) (15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان دار مرد اور عورت اپنے نفس، اولاد اور مال کی آزمائش میں ہمیشہ رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کی ملاقات اپنے رب سے ایسے حال میں ہوتی ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (ترمذی: 2399) (16) ابو ابراہیم سیدنا عبد اللہ بن اونی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ان ایام میں، جن میں آپ کا مقابلہ دشمن سے ہو یا انتظار فرمایا یہاں تک کہ جب آگتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! دشمن سے ملاقات (لڑائی) کی آرزو مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت (سلامتی) مانگو۔ لیکن جب ایسا موقع آجائے کہ تمہاری دشمن سے مدد بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدمی سے لڑو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے تلے ہے۔ پھر نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَنُصْرِنَا عَلَيْهِمْ اے اللہ! کتاب (قرآن مجید) کے اتارنے والے، بادلوں کو چلانے والے، (دشمن کے) لشکروں کو شکست دینے والے! ان کو شکست فاش سے دوچار فرما اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ (مسلم: 4427) (17) اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کرنا بے صبری نہیں ہے۔ ﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بِنُسْبِهِمْ وَحُزِّنِي إِلَى اللَّهِ﴾ میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے

قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں۔ (یوسف: 86) سیدنا ایوب علیہ السلام نے صبر میں بے مثال اسوہ چھوڑا ہے، انہوں نے ارحم الراحمین سے فریاد کی۔ ﴿وَإِيُّبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ اور ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یقیناً مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیاء: 83) (18) نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احکام الہی کی تبلیغ، اہل ایمان کی تعلیم، اہل خسران کے انداز، اہل عالم کی تدبیر، اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب و نوائب اور ہموام و غموم کی برداشت فرمائی تھی۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کے آستانہ فیض پر غلاظت گرائی جاتی جس سے تشنت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو کبھی رسول اللہ ﷺ کی راہ میں گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا تھا، گڑھے میں کانٹے بھر دیئے جاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کو سجدہ میں محتوم دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر پھانسی کا رسہ بنایا جاتا گردن کو افشار سے بھینچا جاتا۔ کبھی رسول اللہ ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت سجود) اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح و طبع کا سامان سمجھا جاتا، کبھی رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قرأت قرآن پاک سے آپ ﷺ کو روکا جاتا۔ کئی سال کا زمانہ رسول اللہ ﷺ پر ایسا بھی گزرا ہے جب رسول اللہ ﷺ کو ایک گھاٹی میں محصور رکھا گیا اور دانہ و خورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا ہی حوصلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا ہی دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ اور تمہارا صبر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔“ (سورۃ النحل: 127) کے تمنغہ سے رسول اللہ ﷺ کو مشرف فرمایا۔ (رحمۃ للعالمین)

سوال 2: ﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي يَوْمَ حَبِيبًا﴾ ”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَسَى اللَّهُ﴾ ”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے رب سے اس وقت امید باندھی جب کہ حالات ناامیدی کے تھے۔ یہی زندگی ربانی زندگی ہے جہاں دل کہیں مصائب پر صبر کر کے عبادت کرتا ہے، کہیں رب کی رضا پر راضی ہو کر عبادت کرتا ہے، کہیں رب سے امید باندھ کر عبادت کرتا ہے۔ یہ ساری عبادات ہیں جو غم کے سیاہ بادلوں میں، اداسی کی دلہل میں، کرب کی شدت میں کی جاتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان عبادات کی سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے؟ یہ عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو خالص کرنے والوں، اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اپنے معاملات اس کے سپرد کرنے والوں، اس سے محبت کرنے والوں، اس سے خوف رکھنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ یا ارحم الراحمین ہمیں دل کی عبادات نصیب فرمادے۔ (آمین) (2) ﴿أَنْ يَأْتِيَنِي يَوْمَ حَبِيبًا﴾ ”کہ ان سب کو میرے پاس لائے گا“ مجھے امید ہے کہ میرا رب میرے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں کو ملا دے گا یعنی یوسف علیہ السلام، بنیامین اور سب سے بڑے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا تھا۔

سوال 3: ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ مُوَاعِلِيمٌ﴾ ”بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے“ بے شک میرا رب میرے حالات کو جانتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس کی طرف سے کشادگی اور نوازش کا محتاج اور اس کے احسان کا ضرورت مند ہوں۔ (تفسیر سعدی: 12/1277) (3) اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے حالات سے واقف ہیں، ان حالات و واقعات سے بھی جو کائنات میں جاری ہیں اور ان حالات سے بھی جو کسی انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے حالات میں انسانوں کے دلوں کی کیفیات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ (4) ﴿الْحَكِيمُ﴾ ”کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات اور فیصلوں میں کمال حکمت والا ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں اصل حکمت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سارے کام سارے فیصلے حکیمانہ ہوتے ہیں اور حالات و واقعات اس کی حکمت کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس کی حکمت کے مطابق لوگوں کے سامنے کھلتے ہیں۔ (6) جس نے اپنی حکمت ربانی کے تقاضے کے مطابق ہر چیز کا اندازہ اور اس کا منہا مقرر کیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1277) (7) اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی پر یقین رکھے۔

﴿ وَ تَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يَوْسُفَ وَ اَبَيْصَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴾ (84)

”اور اس نے ان سے منہ موڑا اور کہنے لگا: ”ہائے افسوس یوسف پر!“ اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں، چنانچہ وہ غم سے بھرا ہوا

تھا۔“ (84)

سوال 1: ﴿ وَ تَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يَوْسُفَ وَ اَبَيْصَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴾ ”اور اس نے ان سے منہ موڑا اور کہنے لگا:

”ہائے افسوس یوسف پر!“ اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں، چنانچہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ تَوَلَّىٰ عَنْهُمْ ﴾ ”اور اس نے ان سے منہ موڑا“ بیٹوں سے بنیامین کی خبر سن کر سیدنا یوسف علیہ السلام کا پرانا زخم تازہ

ہو گیا۔ انہوں نے بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (2) ﴿ وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يَوْسُفَ ﴾ ”اور کہنے لگا: ”ہائے افسوس یوسف پر!“ انہوں

نے سرد آہ بھر کر کہا ہائے یوسف پر افسوس ہے۔ (3) یعنی پرانا حزن و غم اور ختم ہونے والا اشتیاق جو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے دل

میں چھپا رکھا تھا، ظاہر ہو گیا اور اس نئی اور پہلی مصیبت کی نسبت قدرے ہلکی مصیبت نے پہلی مصیبت کی یاد تازہ کر دی۔ (تفسیر سعدی:

1277, 1278/2) (4) ﴿ وَ اَبَيْصَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ ﴾ ”اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں“ غم اور کرب کی وجہ سے ان کی آنکھیں

رورور کر سفید ہو گئی تھیں۔ یوسف علیہ السلام کے فراق میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلی گئی تھی، کسی سے شکوہ نہیں کرتے تھے، دل میں

صدمے سے گھلے جا رہے تھے۔ (5) ﴿فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ”چنانچہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا“ سیدنا یعقوب علیہ السلام کا دل غم سے بھر چکا تھا، ان کے دل کا پیمانہ غم اور حزن سے لبریز ہو گیا تھا۔ (6) آیت کے آخری حصے ﴿فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ میں اشارہ ہے کہ ان کا دل غم سے متاثر تھا، لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ (تیسیر الرحمن: 1694/1)

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْ كُرِيُوْسُفَ حَلٰى تَكُوْنَ حَرَصًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ (85)﴾

”بیٹوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ آپ گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے۔“ (85)

سوال: ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْ كُرِيُوْسُفَ حَلٰى تَكُوْنَ حَرَصًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ ”بیٹوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ آپ گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان کے حالات پر تعجب کرتے ہوئے کہا۔ (2) ﴿تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْ كُرِيُوْسُفَ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے“ باپ کی حالت دیکھ کر بیٹے بھی صدمے میں تھے۔ انہوں نے اپنے والد کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ یوسف علیہ السلام کی جدائی میں گھل کر ختم ہو جائیں گے۔ (3) ﴿حَلٰى تَكُوْنَ حَرَصًا﴾ ”یہاں تک کہ آپ گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں“ یعنی آپ حرکت تک نہیں کر سکیں گے اور آپ میں بولنے کی طاقت نہیں رہے گی۔ (تفسیر سعدی: 1278/2) (4) ﴿اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ ”یا ہلاک ہونے والوں میں سے“ یعنی یوسف علیہ السلام کی جدائی کے صدمے میں گھل کر ختم ہو جائیں گے یعنی آپ یوسف علیہ السلام کو یاد کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔

﴿قَالَ اِنَّمَا اَسْأَلُوْا بَنِيَّ وَحَزِيْنِيْ اِلٰى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (86)﴾

”یعقوب نے کہا: ”میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ (86)

سوال 1: ﴿قَالَ اِنَّمَا اَسْأَلُوْا بَنِيَّ وَحَزِيْنِيْ اِلٰى اللّٰهِ﴾ ”یعقوب نے کہا: ”میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿اِنَّمَا اَسْأَلُوْا بَنِيَّ﴾ ”میں اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری“ میں اپنے

اضطراب کو کھولتا ہوں یعنی میں اپنی پریشانیوں اور غموں کا شکوہ۔ (3) ﴿وَحُورٍ﴾ اور غم کا شکوہ اور وہ غم جو میرے دل میں رچا بسا ہے جو پوشیدہ ہے۔ (4) ﴿إِلَى اللَّهِ﴾ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سامنے یعنی اس کے پاس کرتا ہوں۔ (5) یہ بات سیدنا یعقوب علیہ السلام کے گہرے تعلق باللہ کا پتہ دیتی ہے۔ اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بظاہر مایوس کن حالات ان کی امید کو متاثر نہ کر سکے کیونکہ ان کا رب سے گہرا رابطہ تھا، پیغمبر کے دل میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات کا کتنا گہرا شعور ہوتا ہے۔

سوال 2: ﴿وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس علم کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے، چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں اس کی تعبیر اب تک پوری نہیں ہوئی تھی وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ضرور ہے کہ یوسف موجودہ ہو اور گیارہ ستارے یعنی سارے بھائی (جن میں بنیامین بھی تھے اور وہ بڑا بھائی بھی تھا جو مصر میں رہ گیا تھا) اور ماں باپ سجدہ کریں گے لہذا یوسف کو نہ موت آئی ہے نہ اس کی ملاقات سے پہلے مجھے دنیا سے جانا ہے سب کو ایک دن جمع ہونا ہی ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہو گیا ہو یا بذریعہ وحی اطلاع دے دی گئی۔ (انوار البیان: 3/117، 118) (2) یعنی میں اللہ تعالیٰ کے لطف، احسان اور مصیبت پر ثواب کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ (3) اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر اور بھلائی کا جو معاملہ میرے علم میں ہے وہ آپ کے علم میں نہیں ہے۔ (4) یعنی میں جانتا ہوں کہ میرا رب سب کو میرے پاس لوٹا لائے گا۔

﴿يٰٓيٰٓسَىٰ اذْهَبْ اَنْتَ حَسْبُوْا مِنْ يُّوسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَابَيْسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ لَا يَأْتِيْسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْاَنْقَوْمَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (87)

”اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔“ (87)

سوال 1: ﴿يٰٓيٰٓسَىٰ اذْهَبْ اَنْتَ حَسْبُوْا مِنْ يُّوسُفَ وَ اَخِيْهِ﴾ ”اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1): ﴿يٰٓيٰٓسَىٰ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹو۔ (2) ﴿اذْهَبْ اَنْتَ حَسْبُوْا مِنْ يُّوسُفَ وَ اَخِيْهِ﴾ ”جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو پوری کوشش کے ساتھ تلاش کرنے کا حکم دیا۔

(3) تحس بھلائی کے لیے استعمال ہوتا ہے تجسس برائی کے لیے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو بھائیوں کے ڈھونڈنے کی رغبت دلا رہے ہیں۔

سوال 2: ﴿وَلَا تَأْسُؤْا مِنْ رُوحِ اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ لَا يَأْسُؤُا مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا النُّقُومُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَأْسُؤْا مِنْ رُوحِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، سیدنا یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ (2) امید بندے کو اپنے مقصد کے لیے کوشش اور جدوجہد کے لیے آمادہ کرتی ہے اور مایوسی اسے سست اور کاہل بنا دیتی ہے اور سب سے بہترین چیز جس کی بندے کو امید رکھنی چاہیے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و مہربانی۔ (تفسیر سعدی: 1278/2) (3) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید باندھنا دل کی عبادت ہے۔ یہ امید کا رشتہ مومن کو ٹوٹنے سے، مایوسی کی اتھاہ دلدل سے بچا لیتا ہے۔ (4) ﴿اِنَّهٗ لَا يَأْسُؤُا مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا النُّقُومُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا، سیدنا یعقوب علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ کافر اللہ تعالیٰ سے ناامید ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عظمت کو نہیں جانتا۔ (5) کیونکہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے دور ہے، اس لئے کفار کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ بندہ اپنے ایمان کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کی امید رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1278، 1279/2) (6) صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیے۔ (الترغیب: احسن التفسیر) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مومن کو اس سزا اور عذاب کا (کما حقہ) علم ہو جائے جو اللہ کے ہاں (نافرمانوں کے لئے) ہے تو اس کی جنت کی کوئی امید نہ کرے اور اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا صحیح علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہو۔ (مسلم: 6979)

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَ أَهْلَنَا الطُّرُ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ

وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ (88)

”چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں سو آپ ہمارا ماپ پورا کر دیں اور ہم پر صدقہ بھی کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔“ (88)

سوال: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَ أَهْلَنَا الطُّرُ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ

﴿يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ ”چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں سو آپ ہمارا ماپ پورا کر دیں اور ہم پر صدقہ بھی کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلْيَاذْكُرُوا عَالِيَهُ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو بھائیوں کی تلاش کے لیے رغبت دلائی تو وہ مصر کے لیے روانہ ہو گئے اور یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (2) ﴿قَالُوا﴾ انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے کہا۔ (3) ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلَنَا الطُّمَّ﴾ ”اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے“ انہوں نے عزیز مصر کو توجہ دلائی کہ ہمارے اہل خاندان کو قحط کی وجہ سے سخت مسائل کا سامنا ہے، ہم محتاج ہو گئے ہیں۔ (4) ﴿وَجئْنَا بِوَصَاعَةِ مُؤَدَّةٍ﴾ ”اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں“ ہم تھوڑی سی رقم لے کر آپ کی خدمت میں آئے ہیں، اتنی رقم سے غلہ تو نہیں ملتا مگر آپ سے امید رکھتے ہیں۔ (5) ﴿فَاؤْفُوكَا الْكَيْدِ﴾ ”سو آپ ہمارا ماپ پورا کر دیں“ یعنی قلیل مال کے باوجود آپ ہمیں پورا پورا غلہ عنایت فرمادیں۔ (6) ﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ ”اور ہم پر صدقہ بھی کریں“ یعنی کہ قیمت میں زیادہ غلہ آپ کی طرف سے ہم پر صدقہ ہوگا۔ (7) ﴿إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے“ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں بہترین اجر عطا فرماتا ہے۔

﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَ أَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ لَهِلُونَ﴾ (89)

”یوسف نے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے جب تم نادان تھے، تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ (89)

سوال: ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَ أَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ لَهِلُونَ﴾ ”یوسف نے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے جب تم نادان تھے، تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر جب بوڑھے باپ کا ذکر سنا تو ان کا دل بے قرار ہو گیا اور وہ نرم پڑ گئے، فرمایا۔ (2) ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَ أَخِيهِ﴾ ”کیا تمہیں علم ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ یعنی تمہیں معلوم ہے کہ یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جہالت میں کیا کیا تھا؟ (3) ﴿إِذْ أَنْتُمْ لَهِلُونَ﴾ ”جب تم نادان تھے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو ان کی حرکت تو یاد دلائی مگر اس خیال سے کہ وہ شرمندہ نہ ہوں خود ہی ان کے لئے معذرت کا پہلو نکال دیا۔ یہ انتہائی مروت کا مقام ہے جس کی توقع ایک نبی سے ہی ہو سکتی ہے۔ (روح المعانی، اشرف الحواشی: 295/1) (4) اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں یقیناً جہالت کا نتیجہ ہی ہوتی ہیں۔

﴿قَالُوا عِرَّاكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۗ إِنَّهُ مَن يَشَاءُ وَيُصِرُّ

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (90)

” انہوں نے کہا: ”کیا یقیناً تم واقعتاً یوسف ہی ہو؟“ اس نے کہا: ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی نیکی کرنے والوں کا اجر بلاشبہ ضائع نہیں کرتا۔“ (90)

سوال 1: ﴿قَالُوا عِرَّاكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ ” انہوں نے کہا: ”کیا یقیناً تم واقعتاً یوسف ہی ہو؟“ اس نے کہا: ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ ” انہوں نے کہا“ برادران یوسف نے انہیں پہچان لیا تو تعجب سے پوچھا۔ (2) ﴿عِرَّاكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ﴾ ”کیا یقیناً تم واقعتاً یوسف ہی ہو؟“ برادران یوسف نے دواڑھائی سال کی آمدورفت کے دوران اپنے بھائی کو نہیں پہچانا تھا اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھی اپنا حال چھپائے رکھا۔ اس لیے انہوں نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ (3) ﴿قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ ” اس نے کہا: ”میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا چھوٹا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ ہمیں طویل مدت کی جدائی کے بعد ملا دیا۔ (4) اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں ایمان، تقویٰ اور صبر جیسی عظیم صفات سے نوازا اور ہمیں اقتدار عطا کیا۔

سوال 2: ﴿إِنَّهُ مَن يَشَاءُ وَيُصِرُّ ۖ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ” حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی نیکی کرنے والوں کا اجر بلاشبہ ضائع نہیں کرتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ مَن يَشَاءُ وَيُصِرُّ﴾ ” حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے“ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، وہ اس سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی فرماں برداری کرتا ہے اور اس کے عذاب کا خوف رکھ کر اس کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ (2) جو شخص حرام کاموں سے بچتا ہے۔ (3) ﴿وَيُصِرُّ﴾ ” اور صبر کرتا ہے“ یعنی مصائب پر صبر کرتا ہے۔ (4) ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ” اللہ تعالیٰ بھی نیکی کرنے والوں کا اجر بلاشبہ ضائع نہیں کرتا“ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر، نیک لوگوں کا انعام ضائع نہیں کرتا ہے۔ (5) جو واقعتاً اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، وہ نیک ہے۔ (6) تقویٰ اور صبر دونوں احسان کے کام ہیں۔ (7) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے زندگی بھر اللہ تعالیٰ سے امید باندھے رکھی، بیٹے کی جدائی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کیا، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (8)

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامنے ان ہی اعمال کی فضیلت رکھی کہ تقویٰ اور صبر کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (9) رب العزت نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی مثال دی ہے کہ جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ (10) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبر کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کسی چیز کی بخشش نہیں کی گئی۔ (بخاری مشکوٰۃ)

﴿ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ (91) ﴾

”انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہم پر فوقیت دی ہے اور بیشک ہم ہی یقیناً خطا کرتے۔“ (91)

سوال: ﴿ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہم پر فوقیت دی ہے اور بیشک ہم ہی یقیناً خطا کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالُوا ﴾ برادران یوسف علیہ السلام نے کہا۔ (2) ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ ”اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہم پر فوقیت دی ہے“ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ آپ محاسن اخلاق کی وجہ سے، اپنی کریم عادات کی وجہ سے قابل ترجیح ٹھہرے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنے قصوروں اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اقرار کر لیا۔ (3) ﴿ وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ ﴾ ”اور بیشک ہم ہی یقیناً خطا کرتے“ ہم نے ہی آپ کو تکلیف پہنچائی، آپ کو اپنے پیاروں سے، اپنے باپ دادا سے دور کیا، یقیناً ہم قصور وار ہیں۔

﴿ قَالَ لَا تَعْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۙ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ (92) ﴾

”یوسف نے کہا: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے

والا ہے۔“ (92)

سوال 1: ﴿ قَالَ لَا تَعْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۙ ﴾ ”یوسف نے کہا: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ (2) ﴿ لَا تَعْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۙ ﴾ ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں“ آج تم پر ملامت نہیں جو ہونا تھا وہ ہو گیا، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ آج کے بعد میں تمہارا قصور تمہیں یاد نہیں دلاؤں گا۔

سوال 2: ﴿ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝ ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَقْفُرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے احسان کا کمال ہے۔ انہوں نے نرمی اور فراخ دلی کا جو نمونہ پیش کیا وہ اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ (2) ﴿وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ ”اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جانب توجہ مبذول کروائی کہ اسی کی رحمت کی ضرورت ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (3) فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ کا سر جھکا ہوا تھا اور آپ ﷺ یہی الفاظ دہرا رہے تھے: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ آج تم پر کوئی سزائش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (الرحیق المختوم)

﴿إِذْ هَبُوا بَقِيَّتِي لِهَذَا فَالْقُوْةُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيْرًا وَأَنْتُوْنِ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ (93)

”تم میرا یہ قمیض لے جاؤ پھر اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائے گا اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔“ (93)

سوال 1: ﴿إِذْ هَبُوا بَقِيَّتِي لِهَذَا فَالْقُوْةُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيْرًا وَأَنْتُوْنِ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ ”تم میرا یہ قمیض لے جاؤ پھر اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائے گا اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِذْ هَبُوا بَقِيَّتِي لِهَذَا فَالْقُوْةُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيْرًا﴾ ”تم میرا یہ قمیض لے جاؤ پھر اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائے گا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا: میری قمیض لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ (2) کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کی ضد کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ اس قمیض میں چونکہ یوسف علیہ السلام کی خوشبو کا اثر تھا جس کی جدائی نے اپنے باپ کے دل کو اس قدر حزن و غم سے لبریز کر دیا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ یہ قمیض ان کے باپ کو سونگھائی جائے تو ان کی روح، ان کا نفس اور ان کی بصارت لوٹ آئے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اسرار پنہاں ہیں جن کو بندے نہیں جانتے مگر اس معاملے پر یوسف علیہ السلام کو مطلع کیا گیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1281) (3) ہر مرض کی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوا ہے اور شدت فرح سے بینائی میں توت پیدا ہو جانا طبی طور پر بھی ثابت ہے۔ (رازی، اشرف) (4) ﴿وَأَنْتُوْنِ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ ”اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ اپنے تمام اہل خانہ کو میرے پاس لے کر آؤ تاکہ حالات بدل جائیں۔

رکوع نمبر: 11

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ أَبُوْهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيْحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفِيْدُوْنَ (94)﴾

”اور جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا: ”یقیناً میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو۔“ (94)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَجُزُ قَالَ أَبُو هُمْ إِنْ لَأَجِدُ رَائِحَةَ يُسُفَ لَوْ لَأَنَّ تَقْدُونَ﴾ ”اور جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا: ”یقیناً میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَجُزُ﴾ ”اور جب قافلہ جدا ہوا“ جب برادران یوسف کا قافلہ مصر سے فلسطین کی طرف روانہ ہوا۔ (2) ﴿قَالَ أَبُو هُمْ﴾ ”تو ان کے باپ نے کہا“ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جو ان کے پاس تھے فرمایا: (3) ﴿إِنْ لَأَجِدُ رَائِحَةَ يُسُفَ لَوْ لَأَنَّ تَقْدُونَ﴾ ”یقیناً میں یوسف کی خوشبو پارہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو“ اگر میرا مذاق نہ اڑاؤ، میری بات کا یقین کر لو تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ (4) یعنی یہ نہ سمجھو کہ بات مجھ سے غیر شعوری طور پر صادر ہوئی ہے، کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے اس حال میں ان کی طرف سے تعجب کا مظاہرہ ہی دیکھا جو اس قول کا موجب بنا۔ (تفسیر سعدی 1281/2) (5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو زور کی ہوا چلی اور یہی ہوا یعقوب علیہ السلام کے پاس یوسف علیہ السلام کی خوش خبری لائی اور انہیں یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو محسوس ہونے لگی۔ (عبدالرزاق) (6) اتنے فاصلے سے خوشبو کو محسوس کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ تھا۔ یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ خبر نہ دے وہ بے خبر رہتا ہے۔ چاہے بیٹا قریب کے کسی کنوئیں میں کیوں نہ ہو اور جب اللہ تعالیٰ اس کا انتظام فرمادے تو مصر جیسے دور کے علاقے میں بھی بیٹے کی خوشبو آ سکتی ہے۔ (7) شہر مصر سے کنعان تک ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق آٹھ دن کی مسافت کا راستہ تھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی (80) فرسخ یعنی تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی دور سے قمیض یوسف علیہ السلام کے ذریعہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے دماغ تک پہنچا دی اور یہ عجائب میں سے ہے کہ جب یوسف علیہ السلام اپنے وطن کنعان ہی کے ایک کنوئیں میں تین روز تک پڑے رہے تو اس وقت یہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی، یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن 5/143)

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ (95)

”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو یقیناً اپنے پرانے خبط میں ہیں۔“ (95)

سوال: ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو یقیناً اپنے پرانے خبط میں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ﴾ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا۔ (2) ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو یقیناً اپنے پرانے خبط میں ہیں“ آپ تو اپنی پرانی غلطی پر ہیں۔ آپ تو یوسف کی محبت میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ آپ

کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ (3) بیٹوں نے باپ سے سخت بات کی۔ یہ بات کسی بیٹے کے لائق نہیں کہ وہ اپنے باپ سے اتنی تو بہن آمیز بات کرے۔

﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ آتُفَةً عَلَىٰ وَجْهِهِ فَاثَرْتَدَّ بِصَدْرِكَ فَقَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ ۗ إِنِّي أَخْلَعُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (96)﴾

”سوجب خوش خبری لانے والا آیا اس نے یوسف کا قمیص اس کے چہرے پر ڈال دیا چنانچہ وہ بیٹا ہو گیا اس نے کہا: ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ (96)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ آتُفَةً عَلَىٰ وَجْهِهِ فَاثَرْتَدَّ بِصَدْرِكَ فَقَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ ۗ إِنِّي أَخْلَعُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”سوجب خوش خبری لانے والا آیا اس نے یوسف کا قمیص اس کے چہرے پر ڈال دیا چنانچہ وہ بیٹا ہو گیا اس نے کہا: ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ﴾ ”سوجب خوش خبری لانے والا آیا“ بشیر سے مراد قاصد یہود تھے، آپ یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحب زادے ہیں۔ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے نبی کے پاس یوسف علیہ السلام کی خون سے لت پت قمیص لائے تھے۔ آپ ہی گناہ کی تلافی کے لیے بشیر بن کر یوسف علیہ السلام کی قمیص لائے اور باپ کے منہ پر لاکر ڈال دی، قمیص کے پڑتے ہی آپ کی بینائی بحال ہو گئی۔ (مختصر ابن کثیر: 899/1) (2) جب خوش خبری دینے والا ان کے بھائیوں اور والد کی ملاقات کی خوش خبری لے کر آیا۔ (3) ﴿آتُفَةً عَلَىٰ وَجْهِهِ فَاثَرْتَدَّ بِصَدْرِكَ﴾ ”اس نے یوسف کا قمیص اس کے چہرے پر ڈال دیا چنانچہ وہ بیٹا ہو گیا“ جب قمیص یوسف علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی گئی تو وہ پہلے جیسی بصارت کی حالت میں آگئے۔

سوال 2: ﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ ۗ إِنِّي أَخْلَعُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اس نے کہا: ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”اس نے کہا:“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا۔ جو وہاں ان کی رائے کو جھٹلا رہے تھے اور ان پر اظہار تعجب کر رہے تھے۔ (2) ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ ۗ إِنِّي أَخْلَعُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو کر اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تو تمہیں شروع سے یہی کہتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿وَإِنِّي أَخْلَعُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ (یوسف: 86) میں تو یوسف علیہ السلام کے ملنے کی امید رکھتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لائے گا اور غم کا یہ دور ختم ہو جائے گا۔

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ (97)

”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں، یقیناً ہم ہی خطا کرتے۔“ (97)

سوال: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں، یقیناً ہم ہی خطا کرتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا۔ (2) ﴿يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ”اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں، یقیناً ہم ہی خطا کرتے۔“ بیٹوں نے باپ کے سامنے اعتراف جرم کیا اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے واقعی بہت بڑی خطا ہوئی ہے۔ ہم نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ سے ہم خطا کار ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی معافی مانگیں۔

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوفُ الرَّحِيمُ﴾ (98)

”یعقوب نے کہا: ”میں تمہارے لئے جلد ہی اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا، یقیناً وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ (98)

سوال 1: ﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوفُ الرَّحِيمُ﴾ ”یعقوب نے کہا: ”میں تمہارے لئے جلد ہی اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا، یقیناً وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی ندامت محسوس کر کے کہا۔ (2) ﴿سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي﴾ ”میں تمہارے لئے جلد ہی اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا“ دعا قبول ہونے کا وقت آنے دو، میں اپنے رب سے تمہارے گناہوں کے لیے استغفار کروں گا۔ (3) ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوفُ الرَّحِيمُ﴾ ”یقیناً وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ وہ خطاؤں کو بے حد بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔ جو بھی سچے دل سے توبہ کرتا ہے وہ اس پر رحم فرماتا ہے، اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ (4) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے استغفار کو فضیلت والے مبارک وقت تک کے لیے مؤخر کر دیا تاکہ استغفار قبول ہو جائے۔ (5) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف آتے ہوئے ایک شخص سے دعا سنتے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مجھے بلایا میں آ گیا تو نے مجھے حکم فرمایا میں نے اس کی تعمیل کی۔ یہ سحر کا وقت ہے اپنے فضل سے مجھے بخش دے۔ آواز پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر سے آرہی ہے۔ آپ اس بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے دعائے مغفرت کے لیے سحر ہی کا وعدہ فرمایا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ جمعہ کی رات تھی۔ (مختصر ابن کثیر: 1/900)

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَبُويَهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مَعِيَ رِجْلاً أَلَمْ يَكُنْ لَهُ بَنَاتٌ لِلَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهَا أَقْرَابًا يَذَّكَّرُ بِهِ لِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (99)

”پھر جب وہ سب یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ہی جگہ دی اور کہا: ”مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن والے ہوں گے۔“ (99)

سوال: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَبُويَهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مَعِيَ رِجْلاً أَلَمْ يَكُنْ لَهُ بَنَاتٌ لِلَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهَا أَقْرَابًا يَذَّكَّرُ بِهِ لِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ”پھر جب وہ سب یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ہی جگہ دی اور کہا: ”مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن والے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا﴾ ”پھر جب“ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے بلاوے پر ان کے بھائی، والد اور تمام گھر والے مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے وہ فلسطین چھوڑ کر مصر کی طرف چل پڑے، ان کا مقصد مصر میں آباد ہونا تھا۔ (2) جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو خبر ملی کہ آپ کے گھر والے قریب آگئے ہیں تو آپ ان کے استقبال کے لیے روانہ ہو گئے، امراء، رؤساء، حکام اور شہر کے معززین بھی آپ کے ساتھ تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا شاندار خیر مقدم کیا جائے۔ خود شاہ مصر بھی مجلس استقبالیہ میں شامل تھے۔ (3) ﴿أَوَى إِلَيْهِ أَبُويَهُ﴾ ”تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس ہی جگہ دی“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو عزت و احترام سے اپنے پاس بٹھایا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ (4) ﴿وَقَالَ ادْخُلُوا مَعِيَ رِجْلاً أَلَمْ يَكُنْ لَهُ بَنَاتٌ لِلَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهَا أَقْرَابًا يَذَّكَّرُ بِهِ لِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ اور کہا: ”مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن والے ہوں گے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا: اب آپ لوگ مصر میں امن اور سلامتی سے رہیں۔ اب آپ لوگ قحط کی سختیوں، معاشی بد حالیوں سے محفوظ رہ کر امن اور اطمینان کی زندگی گزارو۔

﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا

يَكْسِبُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ (100)

”اور اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے اور یوسف نے کہا: ”اے میرے ابا جان! یہ میرے اس سے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا۔ یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“

(100)

سوال 1: ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾ ” اور اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ” اور اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو شاہی تخت پر عزت سے بٹھالیا۔ (2) ﴿وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾ ” اور سب اس کے لیے سجدے میں جھک گئے“ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائی ان کی عزت کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ (3) وہ گیارہ بھائی تھے جنہوں نے سجدہ کیا۔ (4) شریعت ابراہیمی میں تعظیمی سجدہ جائز تھا جو آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک جائز رہا پھر شریعت محمدیہ میں حرام کر دیا گیا اور سجدہ رب ہی کے لیے مخصوص ہو گیا۔ حدیث میں ہے کہ معاذ نے شام سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا ”معاذ ذی اللہ! یہ کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگے میں نے شام میں دیکھا کہ لوگ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، کیونکہ شوہر کا اس پر بڑا حق ہے۔ (مگر یہ بھی حکم نہیں کیونکہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے) بہر حال پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کو سجدہ جائز تھا، اسی وجہ سے بھائیوں نے اور ماں باپ نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ (مختصر ابن کثیر: 1/901)

سوال 2: شیطان انسان کو کیسے حسد میں مبتلا کر دیتا ہے؟

جواب: (1) شیطان انسان کے دل میں کسی کے بارے میں برا خیال ڈالتا ہے۔ (2) اگر انسان اس خیال کو جھٹک دے تو شیطان اپنا کام نہیں کر پاتا۔ (3) اگر انسان شیطان کے ڈالے ہوئے خیال پر غور و فکر شروع کر دے تو انسان بدگمان ہو جاتا ہے۔ (4) بدگمانی جب دل میں جگہ بنا لیتی ہے تو انسان کے اندر ہی اندر گلاگلا process جاری ہو جاتا ہے۔ (5) انسان اپنی بدگمانی کے تحت ان کے ہر کام کا جائزہ لینا شروع کر دیتا ہے جن کے بارے میں بدگمانی ہوتی ہے اور ہر بار غور و فکر کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی ایسی بات انسان کو مل جاتی ہے جو بدگمانی میں اضافہ کر سکے حتیٰ کہ انسان کا دل بغض سے بھر جاتا ہے۔ (6) جب انسان کا دل کینے اور بغض سے بھر جاتا ہے تو وہی شخص جس کے بارے میں ابتداء میں برا خیال آیا تھا اس سے حسد کرنے لگتا ہے۔ (7) انسان جب حسد کی آگ میں جلنے لگتا ہے تو کسی نہ کسی طرح اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگتا ہے جس سے حسد رکھتا ہے۔ (8) انسان کی انتقامی کاروائیاں اس حد کو جا پہنچتی ہیں جہاں انسان محسود کو، اس کے وجود کو برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اگر حاسد کو موقع مل جائے تو وہ محسود کو قتل کرنے تک سے گریز نہیں کرتا۔

سوال 3: حسد کے کیا مراتب ہیں؟

جواب: حسد کے تین مراتب ہیں: (1) دوسرے کی نعمت چھین جانے کی تمنا کرنا، یہ انتہائی خطرناک اور سخت حرام ہے۔ (2) کسی کے لیے یہ تمنا کرنا کہ وہ ہمیشہ نعمت سے محروم رہے یعنی انسان یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی نعمت سے نہ نوازے بلکہ جو جس پریشانی میں ہے وہ اس

میں مبتلا رہے، یہ بھی حرام ہے۔ (3) تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ آدمی یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ان نعمتوں سے نواز دے جن نعمتوں سے اس نے دوسروں کو نوازا ہے۔ اس طرح کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسا آدمی قابل ملامت نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ”منافسہ“ (رغبت رکھنا) کے قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَّبَّ فَنَسِ الْاِتِّكَافِ سُونَ ۝﴾ اور اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں۔“ (المطففين: 26)

سوال 4: حسد کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: حسد کے چند اسباب ہیں جو اس کے معاونین اور طبیعت و فطرت کو غذا اور قوت فراہم کرتے ہیں، جس سے حاسد کا دل، جس سے وہ حسد کرتا ہے اس کے خلاف غیظ و غضب سے بھر کر سیاہ ہو جاتا ہے اور مخالف کے قتل پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ انہی اسباب میں سے چند اہم اسباب کا ذکر کیا جا رہا ہے: (1) دنیاوی امور میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم و تقدیر پر راضی و قانع نہ ہونا، ایسا شخص ہمیشہ غم و غصے میں رہتا ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ فلاں کے پاس مال و دولت ہے، میرے پاس کیوں نہیں ہے؟ اور فلاں قابل قدر و منزلت ہے میں کیوں نہیں ہوں؟ تمام باتیں وہ اسی طرح سوچتا رہتا ہے۔ (2) کینہ و بغض اور عداوت رکھنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت مخالف کے پاس دیکھنا قطعی پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کی خواہش اس کے برعکس ہوتی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ تُبْغِبْكُمْ سَبَيْتُمْ تَفْرَحُوا بِهَا﴾ اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (آل عمران: 120) اور یہ سب اسے مخالف کو قتل کرنے، اس کی جائیداد ہڑپ کرنے اور تذلیل و توہین کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ (3) حسد کا ایک سبب خود پسندی ہے، یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے جو خود پسند شخص کو حسد بلکہ حق کا انکار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الہی: ﴿أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَأْسِ جَلِّ مِّنكُمْ﴾ کیا بھلا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت تمہارے پاس تم میں سے ایک آدمی پر آئی ہے۔ (الاعراف: 63) اسی طرح خود پسند اور مغرور شخص کسی دوسرے کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ (4) ہم پیشہ و ہم منصب ہونا بھی حسد کا باعث بن جاتا ہے۔ جیسے ایک ہی جماعت اور معاشرہ میں اہل علم کا ایک دوسرے سے حسد کرنا اور ایک تاجر کا دوسرے تاجر سے حسد کرنا وغیرہ۔ یہ آپس میں حسد کرتے ہیں، کسی دوسرے معاشرے اور دوسرے پیشے سے تعلق رکھنے والے سے حسد نہیں کرتے۔

سوال 5: جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حسد ایک خطرناک مرض ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) حاسد کو یہ بات جان لینا چاہیے کہ اس نے مومنین سے حسد کر کے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی مشارکت اختیار کی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن مومنین پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتے ہیں اور وہ بھی ان کا شریک کار ٹھہرا ہے۔ (2) حاسد یہ بھی جان لے کہ اس کا حسد مخالف کو کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکے گا، بلکہ حسد کی وجہ سے اس کا تمام تر حزن و ملال اور غم و غصہ اور قلق اسی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ تمام حاسدین کی خواہش کے مطابق کام کر دے تو مخالفین پر کوئی بھی نعمت باقی نہ رہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر

مکمل طور پر راضی ہونا اور دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے یا نہ ملنے پر قطعی افسوس نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کا انجام کار آخرفنا و زوال ایک لازمی امر ہے، ساتھ ہی حاسد اس بات کو بھی ذہن میں رکھے کہ اس کا حسد اللہ تعالیٰ کے حکم اور قضا و قدر کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَهْمُ يَقْسُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ لَنْ نَحْنُ قَسَمًا لِيُذِيبَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا وَرَحْمَتَ رَبِّكَ حَيْرٌ مِّمَّا يَجْعُونَ ﴿32﴾﴾ کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی روزی کو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے ایک دوسرے پر ان کے درجے بلند کیے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ (الزخرف: 32)

سوال 6: ﴿وَقَالَ يَا بَتِ لَهَذَا تَأْوِيلُ مُرْءِيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رَبِّي هَاطًا﴾ اور یوسف نے کہا: ”اے میرے ابا جان! یہ میرے

اس سے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ﴾ سیدنا یوسف علیہ السلام نے انہیں سجدے میں پڑے دیکھ کر کہا۔ (2) ﴿يَا بَتِ لَهَذَا تَأْوِيلُ مُرْءِيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اے میرے ابا جان! یہ میرے اس سے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے“ ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔ (3) یعنی اس سے پہلے جو میں نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ ہے اس خواب کی تعبیر۔ (4) ﴿قَدْ جَعَلْنَا رَبِّي هَاطًا﴾ ”یقیناً میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے“ میرے رب نے اس خواب کو حقیقت بنا کر دکھایا اور اسے خواب پریشان نہ بنایا۔ (تفسیر سعدی: 2/1283)

سوال 7: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي﴾ اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي﴾ اور بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلانے۔ (2) ﴿إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ﴾ ”اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا“ انہوں نے اسی ضمن میں قید خانے سے رہائی پانے کا ذکر کیا اور کہا کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا۔ (3) ﴿وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ﴾ ”اور آپ سب کو صحرا سے یہاں لے آیا“ اس نے احسان کا ذکر کیا کہ آپ لوگوں کو جنگل اور دیہات سے لاکر پھڑے ہوؤں کو ملا دیا۔ (4) سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اونٹ اور بکریاں پال رکھی تھیں اس لیے ان کا زیادہ وقت جنگلات میں گزرتا تھا وہ فلسطین کے کسی دیہات میں رہتے تھے۔ (5) یہ یوسف علیہ السلام کی مہربانی اور حسن متحاب ہے کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کے لیے اتمام عفو کی خاطر اپنی حالت قید کا ذکر کیا مگر اندھے کنوئیں میں ان پر جو کچھ گزری اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ انہوں نے اپنے بھائیوں کے قصوروں کا ذکر کیا۔ (تفسیر سعدی: 2/1283) (6) ﴿وَمِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ

﴿اٰخُوْتِي﴾ ”اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا“ پھر سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان نے تو ہمیں جدا کر دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے شیطان کو رسوا کر دیا، ہمیں تکلیف دہ جدائی کے بعد ملا دیا سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس انداز سے بات کی کہ گناہ اور جہالت کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ (7) اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكُهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ وَشَرِّكَ اے اللہ! اے غیب اور حاضر کو جاننے والے! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! ہر چیز کے پروردگار اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے۔ (ابوداؤد: 3392) (8) یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھوک اور معاشی بد حالی سے نکال کر یہاں لے آیا اور نہ یہ کہا کہ اس نے تم پر احسان کیا بلکہ یہ کہا کہ اس نے مجھ پر احسان کیا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو اپنی جانب لوٹا یا یہ ان کی شخصیت کا عظیم پہلو ہے۔

سوال 8: ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۗ اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ”یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۗ﴾ ”یقیناً میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر سب کو رب کے احسانات یاد دلانے کے بعد اس کی عظمت کا یہ پہلو بھی یاد دلایا کہ وہ ”لطیف“ ہے۔ اپنے بندے پر احسانات کرنے کے لیے وہ تدبیر اختیار کرتا ہے اور ایسے کرم کرتا ہے کہ بندوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ غیب سے اس کے لیے ظاہری اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ اپنی حکمت سے ناپسندیدہ امور کے ذریعے بلند ترین مقام تک پہنچا دیتا ہے جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کو کونین کے ذریعے مصر اور قید خانے کے ذریعے مصر کے اقتدار تک پہنچا دیا۔ بڑا ہی برکت والا ہے وہ جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔ (2) ﴿اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ”یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں کے رازوں اور ان کے معاملات کے ظاہری و باطنی سب پہلوؤں کو جانتا ہے۔ ﴿الْحَكِيْمُ﴾ ”کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ کمال حکمت والا ہے، اس کا ہر کام حکمت سے بھرپور ہے۔ وہ ہر اس چیز کو اس کے جائز مقام پر رکھتا ہے اور تمام امور کو ان کے مقررہ وقت پر وقوع پذیر کرتا ہے۔

﴿رَبِّ قَدْ اَنْتَ بِنْتِيْ مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَيْتِيْ مِنْ تَاوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

تَوَفِّيْ مُسْلِمًا وَّالْحَقِيْقُ بِالصَّالِحِيْنَ (101)﴾

”اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا اور تو نے مجھے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا۔“ (101)

سوال 1: ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السُّلُوبِ وَالْأَمْراضِ ۗ أَنْتَ وَرَبِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ تَوَكَّلْنِي مُسْلِمًا ۗ وَالْحَقُّ بِالصَّالِحِينَ﴾ ”اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا اور تو نے مجھے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار عطا کیا اور گھر والوں سے طویل جدائی کے بعد ملا دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کیا، اس کا شکر ادا کیا اور اسلام پر ثابت قدمی کی دعا کی۔ (2) ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ﴾ ”اے میرے رب! یقیناً تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا“ اے میرے رب تو نے مجھے بادشاہت میں سے حصہ دیا۔ (3) یہ انہوں نے اس لئے کہا تھا کہ وہ زمین کے خزانوں کے منتظم اور بادشاہ کے بہت بڑے وزیر تھے۔ (تفسیر سعدی: 1284/2) (4) ﴿وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ”اور تو نے مجھے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا“ یعنی مجھے آسمانی کتاب کی تفسیر اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔ (تفسیر سعدی: 1284/2) (5) ﴿فَاطِرَ السُّلُوبِ وَالْأَمْراضِ ۗ أَنْتَ وَرَبِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ تَوَكَّلْنِي مُسْلِمًا﴾ ”اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا“ اے عزت و جلال والے رب! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے جس طرح آپ نے دنیا میں اپنی نعمتوں کی تکمیل کی ہے اسی طرح آخرت میں بھی مکمل فرمادے۔ (6) ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ”تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے“ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کا ولی ہے۔ (7) ﴿اللَّهُ وَرَبُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔“ (البقرہ: 257) (8) سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ بلند آواز سے نہ کہ آہستہ آواز سے فرما رہے تھے آگاہ رہو کہ میرے باپ کی اولاد یعنی فلاں خاندان والے میرے دوست نہیں بلکہ میرا دوست (مددگار) تو اللہ تعالیٰ ہے اور نیک مومن ہیں۔ (صحیح مسلم: 519) (9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چل کر جاتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور

میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے مومن بندے کی جان نکالتے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ جسمانی تکلیف کے پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔ (صحیح بخاری: 6502) (10) سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! مجھے اسلام پر ثابت قدمی عطا فرما اور اسلام پر ہی وفات دینا۔ (11) ﴿وَالْحَقُّ بِالصَّالِحِينَ﴾ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا، یعنی مجھے انبیاء اور صالحین کے ساتھ شامل فرما۔ جو تیرے چنے ہوئے نیک بندے ہیں مجھے ان کی رفاقت نصیب فرما۔ (12) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں جلد موت کی تمنا کی، ہو سکتا ہے یہ ان کی شریعت میں جائز ہو جیسا کہ رسول ﷺ نے قرب موت کے وقت اس قسم کے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے۔“ (ابن کثیر) (اشرف) (13) حدیث میں ہے کہ کوئی مصیبت یا تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا نہ کرے۔ البتہ جب دین میں فتنہ کا خوف ہو تو تمنا کر سکتا ہے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے اسلام لانے کے بعد دعا کی۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ اور سیدہ مریم علیہا السلام نے کہا ﴿يَلَيَّتَنِي وَتُفَلِّتَنِي مِنْ قَبْلِ هَذَا وَ كُنْتُ سَيِّئًا مَنَسِيًّا﴾ ایک دعا میں ہے: واذا اردت بقوم فتنه فاقبضني اليك غير مفتون اے اللہ جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو فتنہ سے بچا کر مجھے اٹھالے۔ (مسند احمد، ترمذی) (14) امام بخاری کو جب امیر خراسان سے جھگڑا پیش آیا تو انہیں یہ دعا کرنی پڑی اللھم توفني اليك ”اے اللہ مجھے اپنی طرف بلا لے۔“ (مختصر ابن کثیر)

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُوْنَ﴾ (102)

”یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور جب وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔“ (102)

سوال: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَنْكُرُوْنَ﴾ ”یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور جب وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ واقعات جس سے ہم نے آپ کو آگاہ کیا ہے۔ (2) ﴿مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ﴾ ”جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں“ یہ خبریں ہم نے وحی کے ذریعے آپ تک پہنچائی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ وحی نہ کرتے تو یہ خبریں نہ پہنچتیں، تاکہ ایمان لانے والے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ (3) ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ﴾ ”ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا“ اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے تاکہ وحی کا انکار کرنے والے بھی یہ ضرور سوچیں کہ آپ تو برادران یوسف کے ساتھ نہیں تھے جب وہ انہیں کنوئیں میں ڈالنے کی تدبیر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان حالات سے آگاہ کیا۔ یہ

آپ کی رسالت کی کھلی دلیل ہے۔ (4) ﴿وَهُمْ يَنْكُرُونَ﴾ اور جب وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، یعنی جب برادران یوسف باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالنے کے لیے تدابیر کر رہے تھے اس وقت کوئی یہ نہیں جان سکتا تھا حتیٰ کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی نہیں پتہ چل سکا تھا۔ رب العزت نے وحی کے ذریعے اس کی خبر دی ہے۔ (5) جیسے سیدنا موسیٰ کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعَرَبِ إِذْ قَصَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأُمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ اور آپ مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو حکم عطا کیا اور نہ ہی آپ حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔ (التقص: 44)

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (103)

”اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔“ (103)

سوال: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ اور آپ خواہ کتنی ہی حرص رکھیں، اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں ہوتے۔ آپ لوگوں کے ایمان کی شدید خواہش رکھیں تب بھی اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ (2) لوگوں کی اکثریت دلائل کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ آیات پر غور و فکر نہیں کرتے، کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں پر غور و فکر نہیں کرتے اور واقعات کو عبرت پذیری کے لیے نہیں سنتے لہذا ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ (3) ﴿وَإِنْ تُطِغُوا أَكْثَرَهُمْ فِي الْأَمْوَاضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ إِنَّ يَكْفُرُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ اور اگر آپ اکثریت کی اطاعت کریں جو زمین میں بستے ہیں تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام: 116) (4) ﴿بِمُؤْمِنِينَ﴾ ہرگز مومن نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے مدارک و مقاصد فاسد ہو چکے ہیں اس لئے خیر خواہوں کی خیر خواہی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگرچہ موانع معدوم ہی کیوں نہ ہوں، یعنی اگرچہ یہ خیر خواہ انہیں تعلیم دیتے رہیں انہیں ان امور کی طرف بلاتے رہیں جن میں ان کے لیے بھلائی اور ان سے شرکافعیہ ہے، خواہ یہ خیر خواہ اپنی صداقت پر شواہد، آیات اور دلائل ہی کیوں نہ پیش کریں۔ (تفسیر سعدی: 2/1286)

﴿وَمَا سَأَلْتَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (104)

”حالانکہ آپ اس پر ان سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے۔ یہ تو جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔“ (104)

سوال: ﴿وَمَا سَأَلْتَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ حالانکہ آپ اس پر ان سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے۔ یہ

تو جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا سَأَلْتَهُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْرٍ﴾ ”حالانکہ آپ اس پر ان سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے“ اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے یہ فرمایا کہ آپ ﷺ تو نصیحت کرنے پر، بھلائی کی طرف بلانے پر لوگوں سے اجرت نہیں مانگتے۔ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دنیا کے لوگوں سے خیر خواہی کا معاملہ کر رہے ہیں۔ (2) ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ ”یہ تو جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے“ یہ قرآن تو جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ ساری انسانیت کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ اس قرآن کے ذریعے سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کیا چیز نفع مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے؟ یہ قرآن تو عمل کے لیے ہے تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو۔

رکوع نمبر: 12

﴿وَكَايِنَ مِنْ آيَاتِ فِي السَّلْوٰتِ وَالْأَمْرِضِ يَمْرُؤْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (105)﴾

”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔“ (105)

سوال: ﴿وَكَايِنَ مِنْ آيَاتِ فِي السَّلْوٰتِ وَالْأَمْرِضِ يَمْرُؤْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝﴾ ”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَايِنَ مِنْ آيَاتِ فِي السَّلْوٰتِ وَالْأَمْرِضِ﴾ ”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں“ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنے والی کتنی ہی نشانیاں ہیں جیسے سورج، چاند، ستارے، بارش، زمین، پہاڑ، دریا، درخت وغیرہ۔ (2) ﴿يَمْرُؤْنَ عَلَيْهَا﴾ ”جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں“ لوگ دن رات ان پر غور و فکر کیے بغیر گزر جاتے ہیں۔ (3) آسمان کی وسعتیں، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، گردش کرنے والے اور ٹھہرے ہوئے تارے، سرسبز و شاداب کھیت، پہاڑوں کے وسیع سلسلے، موجیں مارتے سمندر، بنجر صحرا، قسم قسم کی نباتات، مختلف طرح کے جان دار، طرح طرح کے پھل جن کے رنگ اور ذائقے جدا ہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کو پکارا رہا ہے۔ (4) ﴿وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ ”اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں“ اور وہ اپنے خالق، اپنے رازق، اپنے مالک سے بے پرواہ ہیں۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (106)﴾

”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں۔“ (106)

سوال: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ ”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ﴾ ”اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے“ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے جو رب ہے، خالق ہے، رازق ہے۔ (ایرالتفاسیر: 6891) (2) ﴿إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ ”مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں“ یعنی وہ اگرچہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے مگر وہ توحید الوہیت میں شرک کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ اب اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ ان پر نزول عذاب کے سوا کوئی بات نہیں رہی اور یہ کہ ان کے پاس اچانک عذاب آجائے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ اور مومن سمجھتے ہوں۔ (تفسیر سعدی: 1286/2) (3) اللہ تعالیٰ پر یقین لانے کی علامت یہ ہے کہ جب لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ نیلا آسمان، یہ سبز زمین اور یہ کالے پہاڑ کس نے پیدا کیے تو اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہیں مگر پھر بھی اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ (4) مشرک بھی حالت احرام میں لبیک کہتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اے اللہ ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں ہاں جو شریک ہیں ان کا اور ان چیزوں کا تو ہی مالک ہے۔ (مسلم، بخاری) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَكُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ بلاشبہ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان: 13) (6) نیک کام دکھاوے کے لیے کیا جائے تو وہ بھی شرک ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ جو دکھاوے کے لیے نماز پڑھتا ہے وہ شرک کرتا ہے، جو دکھاوے کے لیے روزہ رکھتا ہے، وہ شرک کرتا ہے اور جو دکھاوے کے لیے صدقہ کرتا ہے، وہ شرک کرتا ہے۔ (مسند احمد: 17270)

﴿أَفَأَمَّنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (107)

”تو کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانپ لینے والی آفت آجائے یا اچانک ان پر قیامت ہی آجائے اور وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں۔“ (107)

سوال 1: ﴿أَفَأَمَّنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”تو کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانپ لینے والی آفت آجائے یا اچانک ان پر قیامت ہی آجائے اور وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَفَأَمَّنُوا﴾ ”تو کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں“ کیا شرک کرنے والے بے خوف ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کرنے والے بے خوف ہیں؟ (2) ﴿أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾ ”کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانپ

لينے والی آفت آجائے، یعنی ان پر ایسا عذاب آئے جو ان کو گھیر لے اور ان کی جڑ کاٹ دے۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَقَامِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۗ أَوْ يَأْخُذَهُمْ ۗ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ ۗ فَإِنَّ رَبَّهُمْ لَهُمْ عَوْفٌ رَحِيمٌ ۝﴾ تو کیا وہ لوگ جنہوں نے بری تدبیریں کیں بالکل ہی بے خوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان پر عذاب وہاں سے آجائے جہاں سے وہ سوچتے ہی نہ ہوں۔ یا وہ ان کے چلنے پھرنے میں ہی ان کو پکڑ لے، چنانچہ وہ کسی طرح بھی عاجز کرنے والے نہیں۔ یا وہ انہیں خوف زدہ ہونے پر پکڑ لے، پس یقیناً تمہارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (النحل: 45-47) (4) ﴿يَوْمَ يَعْبَثُ الْعَذَابُ مِنْ قُدُومِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝﴾ جس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے ڈھانک لے گا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ چکھو (اس کا مزہ) جو کچھ تم کرتے تھے۔ (العنکبوت: 55) (5) ﴿أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ”یا اچانک ان پر قیامت ہی آجائے“ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم ہوگی اور آدمی اونٹنی کا دودھ نکال رہا ہوگا اور برتن اس کے منہ تک نہ پہنچے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہوں گے اور ان کی خرید و فروخت مکمل ہونے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی اور کوئی آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا اور وہ اس سے دور نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (مسلم: 7413) (6) ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں“ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن چکے ہیں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کریں اور ان اسباب کو ترک کر دیں جو ان کے لئے عذاب کا باعث ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1286/2) (7) ﴿أَقَامِنَ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسًا بَيِّنًا وَهُمْ تَابُونَ ۗ أَوْ أَصْنِ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسًا صَاحِيًّا وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۗ أَقَامِنُ أَمْكُرًا ۗ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْخَاسِرُونَ ۝﴾ تو کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟ اور کیا بستیوں والے بے خوف ہو گئے کہ ان پر دن چڑھے ہمارا عذاب آجائے اور وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ (الاعراف: 97-99)

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

الْمُشْرِكِينَ (108) ﴿

”آپ کہہ دیں: ”یہی میرا راستہ ہے، میں دلیل و برہان کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“ (108)

سوال 1: ﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ ”آپ کہہ دیں: ”یہی میرا راستہ ہے، میں دلیل و برہان کی

روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”آپ کہہ دیں“ اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ کہہ دو۔ (2) ﴿هَذِهِ سَبِيلِي﴾ ”یہی میرا راستہ ہے“ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔ یہ راستہ اس کی جنت تک پہنچاتا ہے۔ (3) یہ راستہ علم کا راستہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم کے راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) (4) یہ راستہ دین پر عمل کرنے کا راستہ ہے۔ (5) یہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین کو ترجیح دینے کا راستہ ہے۔ (6) یہ راستہ اخلاص کا راستہ ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا أَوْدِقُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حَقَّ حَقِّهِمْ وَالصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے والے، یک سوہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط دین ہے۔ (البینہ: 5) (7) ﴿أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ﴾ ”میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں“ میں ساری مخلوقات کو اپنے رب کے پاس پہنچنے کے لیے ترغیب دیتا ہوں۔ میں انہیں ہر اس چیز سے بچاتا ہوں جو انہیں اپنے رب سے دور کر دے۔ (8) یہ میرا طریقہ ہے، میری سنت ہے، میں ساری دنیا کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام دیتا ہوں۔ (9) نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا میرا طریقہ، میرا مسلک اور میری سنت ہے۔ (تیسیر الرحمن: 702/1) (10) ﴿عَلَّ بِصِدْقَةٍ﴾ ”دلیل و برہان کی روشنی میں، یعنی یقین علم کے ساتھ، کسی شک اور شبہ کے بغیر۔ میں اپنے دین کے بارے میں پورے علم اور یقین پر ہوں۔ (11) ﴿وَمَنْ اتَّبَعَنِي﴾ ”اور وہ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے، میری پیروی کرنے والے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلاتے ہیں جیسے میں پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔ (12) اسلام کی دعوت دلیل و حجت کی بنیاد پر ہے قرآن کریم نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرام اسی منہج پر قائم رہے۔ انہوں نے لوگوں کو دلائل کے ذریعہ قائل کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے ماننے والے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کی توحید و عبادت کی دعوت دیتے رہیں گے اور دعوت میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کی عقل و سمجھ کے مطابق ایسی صاف ستھری ہو کہ وہ آسانی کے ساتھ قرآن و سنت کی دعوت کو سمجھ لے اور داعی الی اللہ کا فرض ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے بھلائی کا حکم دیتا رہے اور برائی سے روکتا رہے۔ اس لیے کہ اس کی خاموشی دنیا میں فساد کو پھیلنے کا موقع دے گی، بھلائی دب جائے گی اور برائی سراٹھا کر دندان تاقی پھرے گی۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔ (تیسیر الرحمن: 702/1) (13) سیدنا جبریل بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں مقام خیف پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے، جس نے میری بات سنی اور اسے آگے پہنچا دیا، کیونکہ کئی لوگوں کے پاس فقہ کی بات ہوتی ہے اور خود فقہ نہیں ہوتے اور کئی لوگ فقہ کی بات اپنے سے زیادہ سمجھ دار فقہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا، وہ یہ کہ عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص کے

ساتھ ادا کرنا، مسلمانوں کے سربراہوں سے خیر خواہی کرنا اور ان کی جماعت میں بہر حال شامل رہنا، کیونکہ ان کی دعوت ان سب کو محیط ہوتی ہے۔ (جیسے ایک دیوار ان کا احاطہ کرتی ہے اسی طرح ان کی دعوت، جو دعوت اسلام ہے، وہ بھی ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور انہیں فرقہ بندی سے محفوظ رکھتی ہے، اس لیے ان کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا اشد ضروری ہے۔) (ابن ماجہ: 3056)

سوال 2: ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَّا مِنَ النّٰشِرِ كٰيِّنٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جو اس کے کمال کے منافی ہیں اور اس کے جلال کے لائق نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1287/2) (2) ﴿تَسْبِيْحٌ لِّهٖ السُّبُوٰتِ السَّبْعَةُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا وَانْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِيْحُ بِحَمْدِهَا وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَيِّمًا غَفُوْرًا﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: 44) (3) ﴿وَمَا اَنَّا مِنَ النّٰشِرِ كٰيِّنٍ﴾ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہوں اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کرتا ہوں۔

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحٰی اِلَيْهِمْ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَكِنَّ الْاٰخِرَةَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰتَقَوْا اَلَا تَتَعَلَّقُوْنَ (109)﴾

”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے ہم بستیوں والوں میں سے ان کو وحی کرتے تھے، تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا؟ کہ وہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے ہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، کیا پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو؟“ (109)

سوال 1: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحٰی اِلَيْهِمْ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے ہم بستیوں والوں میں سے ان کو وحی کرتے تھے، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب مرد ہی تھے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ مقام رسالت نہ تو فرشتوں کو ملا، نہ جنوں کو، نہ عورتوں کو۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ النّبٰی سَلِيْنٍ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُوْنُ الطّٰغٰمَ وَيَشْتُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ اَلَمْ نَجْعَلْ لِّبَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَلَمْ تَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ اور ہم نے تمہیں

ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے، کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب ہمیشہ سے ہی سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان: 20) (3) جب پہلے نبی انسان تھے تو اب محمد ﷺ کی رسالت پر قوم کو اعتراض کیوں ہے؟ (4) ﴿لَوْ سَخَّرَ اللَّهُ لَهُمُ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى﴾ ”ہم بستوں والوں میں سے ان کو جی کرتے تھے“ یعنی انبیاء شہروں کے رہنے والے تھے، صحراؤں کے رہنے والے نہ تھے۔ بدوؤں کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا﴾ دیہاتی کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں۔ (التوبہ: 97) (5) انبیاء سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والے، کمال درجے کی عقل رکھنے والے تھے۔

سوال 2: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا؟ کہ وہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ”تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا؟“ اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کی قوم کے بارے میں فرمایا کہ کیا نبی ﷺ کو نہ ماننے والوں نے دنیا نہیں دیکھی یعنی جب وہ آپ ﷺ کی بات نہیں مانتے تو ذرا دنیا کو گھوم پھر کر ہی دیکھ لیتے۔ (2) ﴿فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”کہ وہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟“ یعنی وہ دیکھتے کہ رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کا کس قدر خوف ناک انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی وجہ سے انہیں کیسے کیسے عذابوں سے ہلاک کر دیا۔ (3) دوسروں کے انجام سے سبق حاصل کرنے کے لیے اس وجہ سے کہا کہ اگر تم بھی ان جیسے رویے پر قائم رہے تو تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا۔ (4) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے لیے ایسے دل ہوں جن سے وہ سمجھتے ہوں؟ یا ایسے کان ہوں جن سے وہ سنتے ہوں، پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (الحج: 46) (5) اگر لوگ پچھلی قوموں کی ہلاکت سے آگاہ ہو جاتے تو انہیں یقین آ جاتا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بچا لیتا ہے اور کافروں کو عذاب سے ہلاک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ الْمُسْلِمِينَ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ ”یوم لا ینفخ الظلمین معذبائهم ولهم اللعنة ولهم سوء الدار“ یقیناً ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بدترین گھر ہوگا۔ (المومن: 51، 52)

سوال 3: ﴿وَلَدَامَا الْآخِرَةِ حَيِّوْا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے ہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، کیا پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَدَامَا الْآخِرَةِ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر“ یعنی جنت اور اس کی سدا بہار دائمی نعمتیں۔ (2) ﴿حَيِّوْا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”ان کے

لیے ہی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، یعنی جو اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کی امید میں اس کے احکامات کی فرماں برداری کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں۔ (3) آخرت کا گھر اس لیے بہتر ہے کہ وہ کبھی فنا ہونے والی نہیں اور دنیا فانی ہے اور آخرت کی نعمتیں کامل ہیں اور دنیا کی نعمتیں ناقص ہیں۔ (4) ﴿اَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ”کیا پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو؟“ یعنی کیا وہ اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ کے فرق کو سمجھ سکیں۔

﴿حَتَّىٰ اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُصِّىٰ مِنْ شَاءِ وَلَا يَرُدُّ بِاسْتِنَاعِنِ

النُّوْمِ الْمُبِرِّمِينَ﴾ (110)

”حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ یقیناً ان سے واقعی جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کو ہماری مدد پہنچ گئی پھر جسے ہم نے

چاہا اُسے بچالیا گیا اور مجرموں سے ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاتا۔“ (110)

سوال 1: ﴿حَتَّىٰ اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُصِّىٰ مِنْ شَاءِ﴾ ”حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ یقیناً ان سے واقعی جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کو ہماری مدد پہنچ گئی پھر جسے ہم نے چاہا اُسے بچالیا گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتَّىٰ اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ﴾ ”حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے“ جب انبیاء کو ان کی قوم کے مجرم جھٹلا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے تو نوبت یہاں تک آتی ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھر کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ (2) ﴿وَظَنُّوا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا﴾ ”اور لوگوں نے سمجھا کہ یقیناً ان سے واقعی جھوٹ کہا گیا تھا“ اور ان کی پیروی کرنے والے سمجھنے لگے کہ ان سے جو دشمن کی ہلاکت اور فتح و نصرت کے وعدے کیے گئے، ان کے خلاف کیا گیا۔ (ایسراف القاسم: 700) (3) ﴿جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُصِّىٰ مِنْ شَاءِ﴾ ”تو ان کو ہماری مدد پہنچ گئی پھر جسے ہم نے چاہا اُسے بچالیا گیا“ تو عین وقت پر اللہ تعالیٰ کی مدد آ جاتی ہے۔ (4) عروہ بن زبیر نے خبر دی اور ان سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ عروہ نے ان سے آیت ”حتیٰ اذا استیسس الرسل“ کے متعلق پوچھا۔ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا تھا (آیت میں) کذبوا (تخفیف کے ساتھ) یا کذبوا (تشدید کے ساتھ) اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کذبوا (تشدید کے ساتھ) اس پر میں نے ان سے کہا کہ انبیاء تو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ان کی قوم انہیں جھٹلا رہی ہے پھر ظنوا سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا اپنی زندگی کی قسم بے شک پیغمبروں کو اس کا یقین تھا۔ میں نے کہا کذبوا (تخفیف زال کے ساتھ) پڑھیں تو کیا قباحت ہے۔ انہوں نے کہا معاذ اللہ کہیں پیغمبر اپنے پروردگار کی نسبت ایسا گمان کر سکتے ہیں میں نے کہا اچھا اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کو جن لوگوں نے مانا ان کی تصدیق کی جب ان پر ایک مدت دراز تک آفت اور مصیبت آتی رہی اور اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں دیر ہوئی اور پیغمبران کے ایمان

لانے سے ناامید ہو گئے جنہوں نے ان کو جھٹلایا تھا اور یہ گمان کرنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اب وہ بھی ہم کو جھوٹا سمجھنے لگیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد آن پہنچی۔ (بخاری: 4695) (5) انبیاء و مرسلین کے یقین کامل اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید کی تصدیق کے باوجود کبھی کبھی ان کے دل میں مایوسی کا کوئی خیال گزر جاتا ہے اور ان کے علم اور یقین میں ایک قسم کا ضعف سا آ جاتا ہے۔ جب معاملہ اس حال کو پہنچ جاتا ہے تو ان کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی۔ (تفسیر سعدی: 1288, 1289/2)

سوال 2: ﴿وَلَا يُرِيدُ بِأَسْوَاعِنِ الْقَوْمِ الْفُجُورِ وَمِنَ﴾ ”اور مجرموں سے ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور مجرموں سے ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاتا“ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مجرموں سے دور نہیں کیا جاسکتا جو شرک اور نافرمانیاں کرتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کی نہیں چل سکتی۔ (3) ﴿أَلَمْ يَأْتِهِمُ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور اٹھی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (التوبہ: 70)

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ

يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (111)

”بلاشبہ یقیناً ان کے واقعات میں ہمیشہ سے عقل مندوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی گئی ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔“ (111)

سوال 1: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ”بلاشبہ یقیناً ان کے واقعات میں ہمیشہ سے عقل مندوں کے لیے بڑی عبرت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ﴾ ”بلاشبہ یقیناً ان کے واقعات میں ہمیشہ سے“ یعنی قوموں کے واقعات میں، انبیاء کے حالات میں، ایمان والوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت میں عقل والوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ یعنی وہ اہل خیر اور اہل شرک کے بارے میں عبرت لیتے ہیں۔ جو کوئی ان جیسے افعال کا ارتکاب کرے گا تو اپنے فعل کے مطابق کرامت یا اہانت کا مستحق ٹھہرے گا۔ وہ ان قصوں میں سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی عظیم حکمت کا استنباط کرتے ہیں۔ نیز وہ ان قصوں سے اس حقیقت کو اخذ کرتے ہیں کہ اللہ واحد کے سوا عبادت کسی کے لیے مناسب نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1289/2)

سوال 2: ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”یہ ایسی

بات نہیں ہے جو گھڑی گئی ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى﴾ ”یہ ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی گئی ہو“ یعنی قرآن مجید ایسی کتاب نہیں جسے کوئی گھڑ سکے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ غیب سے آگاہ کرتے ہیں، وہ گھڑی ہوئی کہانیوں پر مشتمل نہیں ہے۔ (2) قرآن مجید کی یہ شان نہیں کہ اسے کوئی گھڑ سکے۔ (3) ﴿وَلَكِنْ تَصَدِّقُ الَّذِينَ يَدِينُونَ﴾ ”لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے“ قرآن مجید پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (4) یہ کتاب پچھلی کتابوں کے صحیح کو غلط سے، حلال کو حرام سے اور سچ کو جھوٹ سے علیحدہ کرتی ہے، تحریف کو چھانٹ دیتی ہے، منسوخ احکام بیان کرتی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 906/1) (5) ﴿وَتَفْصِيلٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل ہے“ قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل ہے جس کی بندوں کو ضرورت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بے مثال ہونے کی تفصیل ہے۔ اس میں دین کے اصول و فروع ہیں، اس میں دلائل ہیں جس سے دلوں کو نور ہدایت ملتا ہے اور عقل والوں کو صحت اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔ (6) ﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں“ ایمان لانے والوں کے لیے یہ کتاب ہدایت ہے جو گمراہی سے نکالتی ہے اور خیر کا سرچشمہ اور رحمت ہے۔ (7) یعنی اس سبب سے کہ اس قرآن کے ذریعے سے انہیں جو حق کا علم حاصل ہوتا ہے اور وہ حق کو ترجیح دیتے ہیں انہیں ہدایت حاصل ہوتی ہے اور انہیں جو دنیاوی یا اخروی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے سے رحمت سے نوازے جاتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1289/2) ہم اپنے عظیم رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سعادت مند لوگوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

سوال 3: سیدنا یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصے میں جو عبرتیں ہیں ان کو بیان کریں؟

جواب: (1) یہ قصہ سب سے اچھا سب سے واضح اور سب سے صریح قصہ ہے، کیونکہ یہ مختلف انواع کے انتقال پر مشتمل ہے، مثلاً ایک حال سے دوسرے حال میں، ایک امتحان سے دوسرے امتحان میں، امتحان سے اللہ تعالیٰ کی نوازشات میں، ذلت سے عزت میں، غلامی سے بادشاہی میں، تفرقہ و تشنت سے اجتماع و اتحاد میں، حزن و غم سے مسرت و سرور میں، فراغی سے قحط میں، قحط سے شادابی میں، تنگی سے وسعت میں اور انکار سے اقرار میں انتقال۔ پس نہایت باہرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے یہ قصہ نہایت خوب صورت اور واضح اسلوب میں بیان کیا۔ (2) اس سورہ مبارکہ میں خواب کی تعبیر کی اصل بیان کی گئی ہے کیونکہ علم تعبیر، ہم علوم میں شمار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یہ عطا کرتا ہے۔ غالب طور پر علم تعبیر نام اور صفات میں مناسبت اور مشابہت پر مبنی ہے، کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج، چاند اور ستارے ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس خواب میں مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ روشنی کے تینوں ذرائع آسمان کی زینت اور اس کا حسن و جمال ہیں اور ان ہی پر اس کے فوائد کا دار و مدار ہے، اسی طرح انبیاء اور علماء زمین کی

زینت اور اس کا حسن و جمال ہیں۔ جیسے اندھیروں میں ستاروں سے راہ نمائی لی جاتی ہے، اسی طرح گمراہی کی تاریکیوں میں انبیاء اور علماء راہ دکھاتے ہیں۔ نیز سیدنا یوسف کے ماں اور باپ اصل ہیں اور ان کے بھائی فرعون ہیں پس مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ اصل، روشنی میں بھی اپنی فرعون سے سب سے زیادہ بڑا ہو اور حجم کے اعتبار سے بھی عظیم ت۔ اس لیے سورج سے یوسف کی ماں، چاند سے ان کے باپ، اور ستاروں سے ان کے بھائی مراد ہیں اور ان میں مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ الشمس ایک مونث لفظ ہے لہذا اس کی مناسبت ماں سے ہے، القمر اور الکواکب مذکر ہیں اس لیے ان کی مناسبت باپ اور بھائیوں سے ہے۔ نیز اس خواب میں مناسبت کا پہلو یہ بھی ہے کہ سجدہ کرنے والا موجودہ کے لیے معظّم و محترم اور موجودہ معظّم و محترم ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سیدنا یوسف اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے نزدیک نہایت معظّم و محترم ہوں گے اور اس کا لازم یہ ہے کہ وہ علم اور دیگر فضائل کے اعتبار سے صاحب فضیلت اور چنے ہوئے شخص ہوں گے اس لیے ان کے والد نے کہا تھا: ﴿وَكذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ (یوسف: 12/6) اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے باتوں کی تعبیر کا علم سکھا دے گا۔ اور دونوں نوجوان قیدیوں کے خواب میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے نوجوان نے خواب دیکھا کہ وہ شراب کشید کر رہا ہے اور وہ شخص جو شراب کشید کرتا ہو وہ عادتاً دوسروں کا خادم ہوتا ہے شراب دوسروں کے لیے کشید کی جاتی ہے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر کی کہ وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور یہ چیز قید سے اس کی رہائی کو متضمن ہے۔ یوسف نے دوسرے نوجوان کے خواب کی تعبیر، جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں، یہ کی کہ اس کے سر کی کھال، گوشت اور مغز وغیرہ جنہیں وہ اٹھائے ہوئے ہے، کھول کر ایسی جگہ پھینک دیا جائے گا جہاں گوشت خور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یوسف علیہ السلام نے اس کے احوال کو دیکھ کر اس کے خواب کی یہ تعبیر کی کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور قتل کرنے کے بعد صلیب پر لٹکا یا جائے گا۔ یہ سب کچھ بھی ممکن ہے جب قتل کے بعد اسے صلیب پر چڑھایا گیا ہو۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب، جس میں اس نے گائیں اور اناج کی بالیاں دیکھی تھیں، کی تعبیر شادابی اور قحط سالی سے کی۔ اس میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ رعایا کے احوال اور اس کے مصالح کا دار و مدار بادشاہ پر ہوتا ہے اگر بادشاہ ٹھیک ہے، تو رعایا بھی درست رہے گی۔ اگر بادشاہ خراب ہے تو رعایا میں خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح سال بہ سال حالات کے ساتھ رعایا کے احوال مربوط ہیں، رعایا کی درستی، ان کے معاشی استحکام اور عدم استحکام کا دار و مدار سال بہ سال (موسیٰ) حالات پر ہے۔ رہی گائیں تو ان کے ذریعے زمین میں ہل چلایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے آب پاشی کی جاتی ہے اگر شادابی کا سال ہو تو گائیں موٹی تازی ہو جاتی ہیں اور اگر قحط سالی ہو تو گائیں دلی اور لاغر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح شادابی کے سالوں میں اناج کے خوشے سرسبز اور بکثرت ہوتے ہیں جب کہ خشک سالی میں یہ خوشے بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور سوکھ جاتے ہیں اور زمین کا بہترین اناج خوشوں ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ (3) یہ قصہ نبوت محمدی ﷺ کی صحت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے یہ طویل قصہ بیان کیا درآں حالیکہ آپ نے گزشتہ انبیاء کی کتابیں پڑھی تھیں نہ کسی سے درس لیا تھا۔ آپ کی قوم نے

آپ کا خوب اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے۔ آپ کے شب و روز آپ کی قوم کے سامنے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ آپ امی ہیں، آپ لکھ سکتے ہیں، نہ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ قصہ کتب سابقہ میں مذکور قصہ سے مطابقت رکھتا ہے حالانکہ آپ وہاں موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائی ان کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے اور سازش کر رہے تھے۔ (4) شر کے اسباب سے دور رہنا مناسب ہے اسی طرح ایسے امور کو چھپانا مناسب ہے جن سے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿لَا تَقْصُصْ مُرَّيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا﴾ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔ (5) کسی کے سامنے خیر خواہی کے طور پر ناپسندیدہ امور کا ذکر کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا﴾ وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔ (6) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمت اس کے تمام متعلقین مثلاً اس کے گھر والوں، عزیز و اقارب اور دوست احباب سب کے لیے نعمت ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ اس نعمت میں سب کو شامل کر لیتا ہے اور ان کو بھی اس کے باعث وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے جو اسے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تَقْصُصْ مُرَّيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا وَيَكِيدُوا لَكُمْ كَيْدًا وَيَكِيدُوا لَكُمْ كَيْدًا﴾ اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور باتوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کا اتمام کرے گا۔ جب یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہوا تو آل یعقوب کو بھی عزت و وقار اور ملک میں اقتدار حاصل ہوا اور یوسف علیہ السلام کے سبب سے انہیں بھی مسرت و خوشی حاصل ہوئی۔ (7) سورہ مقدسہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ عدل و انصاف تمام امور میں مطلوب و مقصود ہے۔ بادشاہ کا پنی رعیت وغیرہ کے ساتھ ہی انصاف کا معاملہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ محبت اور ترجیح دینے کے معاملے میں والد اور اولاد کے مابین بھی عدل و انصاف مطلوب ہے اگر والد کے انصاف میں خلل واقع ہو جائے تو اس کے تمام معاملے میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور حالات خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ جب محبت کے معاملے میں یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں پر ترجیح دی تو بھائیوں کی طرف سے خود ان پر، ان کے باپ پر اور ان کے بھائی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ (8) گناہوں کی نحوست سے بچنا چاہیے کیونکہ ایک گناہ اپنے ساتھ متعدد گناہ لاتا ہے اور بہت سے جرائم کے بعد اس گناہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ کے مابین جدائی ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت سے حیلے استعمال کیے۔ متعدد بار جھوٹ بولا۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی قمیض اور خون کے سلسلے میں باپ کے سامنے افسانہ گھڑا۔ ان کے اس افسانے اور عشاء کے وقت روتے ہوئے آنے میں نرا جھوٹ تھا اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اس مدت کے دوران اس بارے میں بہت بحث و تمحیص ہوئی ہو بلکہ شاید یہ بحث اس وقت تک ہوتی رہی ہو جب تک کہ وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ اکٹھے نہ ہوئے اور جب کبھی بحث ہوتی ہے تو جھوٹی خبریں اور افتر پردازی ضرور ہوتی ہے۔ یہ گناہ کی نحوست اور اس کے آثار ہیں۔ (9) بندے کے احوال میں ابتدائی نقص میں عبرت نہیں ہوتی، بلکہ کمال انتہا میں عبرت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں سے ابتدائی طور پر جو صادر ہوا وہ نقص کا سب

سے برا سبب اور ملامت کا موجب تھا مگر اس کی انتہا خالص تو بہ اور یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ کی طرف سے کامل معافی، مغفرت اور رحمت کی دعا پر ہوئی اور جب بندہ اپنے حق کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے صحیح ترین قول یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور اس کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب علیہم السلام کی طرف۔ یہاں ﴿الْأَسْبَاطِ﴾ سے مراد سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ان کی اولاد ہے۔ نیز ان کی نبوت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب میں ان کو روشن ستاروں کے طور پر دیکھا اور ستاروں میں روشنی اور راہ نمائی ہوتی ہے اور یہ انبیاء کے اوصاف ہیں اور اگر وہ نبی نہیں تھے تو وہ راہ نمائی کرنے والے علماء تھے۔ (10) اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو علم، حلم، مکارم اخلاق اور اللہ اور اس کے دین کی طرف دعوت سے نوازا۔ نیز یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی نوازش اور عنایت ہی تھی کہ انہوں نے اپنے خطا کار بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا اور اس معافی کی تکمیل یہ کہہ کر کر دی کہ اب وہ ان کا کوئی مواخذہ کریں گے نہ اس پر انہیں کوئی عار دلائیں گے پھر سیدنا یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کے ساتھ عظیم نیکی کرنا اور اپنے بھائیوں بلکہ تمام مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ (11) کچھ برائیاں دوسری برائیوں سے خفیف تر اور چھوٹی ہوتی ہیں۔ (اگر دو برائیوں میں سے ایک کا ارتکاب ناگزیر ہو تو) اس برائی کا ارتکاب کرنا جس کا ضرر کم تر ہو، اس برائی کے ارتکاب سے اولیٰ و افضل ہے جس کا ضرر بڑا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں سے جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے قتل اور ان کو کہیں دور زمین میں پھینکنے پر اتفاق ہو گیا، تو ان میں سے ایک نے کہا: ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْهَ فِي غَيْبَتِ الْهَيْبِ﴾ ”یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دو“ گویا اس کی تجویز سب سے بہتر اور نرم تجویز تھی۔ جس کے سبب سے ان کے بھائیوں سے ایک بہت بڑا گناہ ٹل گیا، اور یہ بڑا گناہ ایک خفیف تر گناہ میں منتقل ہو گیا۔ (12) جب کوئی چیز کاروبار میں دست بدست متداول ہو جائے اور وہ مال شمار ہونے لگے اور کاروبار کرنے والے کو اس کے غیر شرعی ہونے کا علم نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنے والے، اس میں خدمت کرنے والے، اس سے مفاد اٹھانے والے اور اس کو استعمال میں لانے والے کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں بیع حرام کی صورت میں فروخت کیا، یہ بیع قطعاً جائز نہ تھی۔ پھر سیدنا یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا قافلہ انہیں لے کر مصر چلا گیا اور وہاں لے جا کر فروخت کر دیا اور وہ اپنے آقا کے پاس غلام کے طور پر رہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو ”آقا“ کے نام سے موسوم کیا ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام اس کے پاس ایک مکرم غلام کے طور پر رہتے رہے۔ (13) ان عورتوں سے خلوت سے چننا چاہیے جن کے ساتھ فتنے کا خوف ہو۔ اسی طرح ایسی محبت سے بھی چننا چاہیے جس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت اور ان کے ساتھ اس کی شدید محبت کے سبب سے ہوا، محبت نے اس عورت کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کے لیے ڈورے نہیں ڈالے، پھر ان پر بہتان لگایا اور یوسف علیہ السلام اس بہتان کے سبب سے طویل مدت تک قید میں رہے۔ (14) سیدنا یوسف

عَلَيْهِمَا نے اس عورت کے ساتھ ارادہ کیا پھر اسے اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک کر دیا۔ اس ترک ارادہ نے سیدنا یوسف عَلَیْهِمَا کو اللہ تعالیٰ کے اور قریب کر دیا۔ کیونکہ اس قسم کا ارادہ نفس امارہ کے اسباب میں شمار ہوتا ہے جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اکثر لوگوں کی یہی فطرت ہے۔ پس جب انہوں نے اس ارادے کا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت کے ساتھ تقابل کیا تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت نفس امارہ کے داعیے، اس کی خواہش پر غالب آگئی۔ گویا آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَكَلِمَى النَّفْسِ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (النازعات: 40) جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا رہا۔ اور آپ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق، ان سات قسم کے لوگوں میں سے ہیں جنہیں قیامت کے روز عرش کے سائے میں جگہ ملے گی، جس روز اس کے سائے کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا اور ان سات قسم کے لوگوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جسے حسن و جمال رکھنے والی اور منصب و حیثیت کی حامل کوئی عورت بدکاری کی دعوت دیتی ہے اور وہ جواب میں کہتا ہے ”میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: 660) اور وہ ارادہ جس پر بندہ قابل ملامت ہے، وہ ارادہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو کر عزم بن جائے جس کے ساتھ بسا اوقات فعل مل جاتا ہے۔ (15) جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو جاتا ہے اور وہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان، صدق اور اخلاص کی برہان کے ذریعے سے مختلف اقسام کی برائیوں، بے حیائی اور گناہوں کے اسباب سے مدافعت کرتا ہے۔ یہ مدافعت اس کے ایمان اور اخلاص کی جزا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَهُمْ بِهَا لَوْلَا أَنْ أَرَأَيْتُمْ هَٰؤُلَاءِ لَقَدْ كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (النور: 25) اور اگر اسے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ کا اسے اپنے لیے چن لینا اور یہ خود اس کے اخلاص کو متضمن ہے، یعنی جب بندہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی اور بے حیائی سے پاک کر کے اپنے لیے چن لیتا ہے۔ (16) بندہ مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مقام دیکھے جہاں فتنہ اور معصیت کے اسباب موجود ہوں تو مقدر بھر وہاں سے نکلنے اور بھاگنے کی کوشش کرے تاکہ وہ گناہ سے بچ سکے، کیونکہ جب سیدنا یوسف عَلَیْهِمَا پر اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ رہ رہے تھے، ڈورے ڈالنے شروع کیے تو وہ اس جگہ سے فرار ہو کر دروازے کی طرف بھاگے، تاکہ وہ اس عورت کے شر سے بچ جائیں۔ (17) اشتباہ کے موقع پر قرآن سے کام لیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر خاوند اور بیوی گھر کے ساز و سامان کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ پڑیں اور دونوں کے پاس اپنی ملکیت کا واضح ثبوت نہ ہو تو جو چیز مرد کے مال کے مطابق ہے وہ مرد کی ملکیت ہے اور جو عورت کے مال کے مطابق ہے وہ اس کی مالک ہے۔ اسی طرح اگر بڑھئی اور لوہا کسی اوزار کی ملکیت پر جھگڑ پڑیں اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ثبوت نہ ہو تو قرآن پر عمل کیا جائے گا۔ ملتی جلتی چیزوں اور نشان قدم میں قیافہ پر عمل کرنا بھی اسی باب میں شامل ہے۔ سیدنا یوسف عَلَیْهِمَا کے گواہ نے قرینے کی گواہی دی تھی۔ اس نے قمیص کی پٹھن کو دیکھ کر قرینے کی گواہی دی اور قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھ کر سیدنا یوسف عَلَیْهِمَا کی صداقت اور اس عورت کے جھوٹے

ہونے پر استدلال کیا۔ اس قاعدے کی صحت پر ایک دلیل یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی کی خرجی میں سے گیہوں ناپنے والے پیالے کے پائے جانے سے استدلال کرتے ہوئے بغیر کسی ثبوت اور اقرار کے اس پر چوری کا حکم لگایا گیا۔ پس اگر مال مسروقہ چور کے قبضے میں پایا جائے، خاص طور پر جب کہ وہ چوری کرنے میں مصروف ہو تو اس پر چوری کا حکم لگایا جائے گا اور یہ (یعنی) شہادت سے زیادہ بلوغ شہادت ہے اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کی قے کرتا ہے یا کوئی ایسی عورت جس کا شوہر یا آقا نہیں، حاملہ پائی جاتی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے قرینے کے اس فیصلے کو شاہد سے موسوم کیا ہے۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (18) سیدنا یوسف علیہ السلام ظاہری اور باطنی حسن و جمال کے حامل تھے ان کا ظاہری حسن و جمال اس عورت کے لیے، جس کے گھر میں سیدنا یوسف علیہ السلام تھے اس امر کا موجب بنا جس کی تفصیل گزری اسی طرح ان کا حسن و جمال ان عورتوں کے لیے بھی، جن کو عزیز مصر کی بیوی نے ان کے ملامت کرنے پر اکٹھا کیا تھا، اس امر کا موجب بنا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ ﴿مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ ”یہ شخص انسان نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔“ رہا ان کا باطنی حسن و جمال تو وہ ان کی عظیم عفت تھی۔ گناہ میں پڑنے کے بہت سے اسباب کے باوجود گناہ سے بچے رہے۔ اس کے بعد خود عزیز مصر کی بیوی اور ان عورتوں نے آپ کی عفت اور پاک دامنی کی شہادت دی۔ اس لیے عزیز مصر کی بیوی نے کہا: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ ”میں نے اسے پھسلانے کی بھر پور کوشش کی تھی مگر وہ بیچ نکلا۔“ اس کے بعد اس نے کہا: ﴿الَّذِينَ حَصَّصَ الْحَقُّ اَنَّا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَارْتَمَى بِهَا مِنَ الضَّالِّينَ﴾ ”اب حق واضح ہو گیا ہے، میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بے شک وہ سچا ہے۔“ عورتوں نے کہا: ﴿حَاسِبْ لَوْ مَا عَلِمْنَا عَلَيْكُمْ مِنْ مَّوَدِّهِ﴾ ”حاشا للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔“ سیدنا یوسف علیہ السلام نے معصیت کے مقابلے میں قید کو ترجیح دی۔ بندہ مومن کے یہی شایان شان ہے کہ اگر وہ دو امور کے بارے میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔ ایک طرف کسی معصیت کا ارتکاب ہو اور دوسری طرف دنیاوی عقوبت تو وہ گناہ کی بجائے، جو دنیا و آخرت میں سخت عقوبت کا موجب ہے، دنیاوی عقوبت کو ترجیح دے۔ ایمان کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بندہ کفر کی طرف لوٹنے کو، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچالیا ہے، اسی طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (20) بندہ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اسباب گناہ کے موجود ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آکر اسی کی پناہ میں رہے اور اپنی قوت و اختیار سے دست بردار ہو جائے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدًا هُنَّ اَصْبُ الْبُهْنِ وَ اَكُنَّ مِنَ الْهَالِكِينَ﴾ ”اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں ان کی چالوں میں آکر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔“ (21) جس طرح فراخی میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا التزام واجب ہے، اسی طرح تنگی میں بھی اس پر یہ التزام واجب ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے۔ جب وہ قید میں ڈال دیے گئے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت پر قائم رہے اور ان دونوں جوان قیدیوں کو (جو ان کے ساتھ قید میں ڈالے گئے تھے) توحید کی دعوت دی اور ان کو شرک سے روکا۔ یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی ذہانت تھی کہ

جب انہوں نے دیکھا کہ ان نوجوان قیدیوں میں ان کی دعوت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔۔۔ کیونکہ وہ دونوں سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے چنانچہ ان کا قول تھا: ﴿إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۰﴾﴾ اور وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ وہ ان کے پاس اپنے خواب کی تعبیر جاننے کا اشتیاق رکھتے ہیں، تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے توحید کی دعوت دی تاکہ وہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ سب سے پہلے آپ نے ان کے سامنے واضح کیا کہ جس نے آپ کو علم و کمال کے اس مقام پر پہنچایا، جسے وہ دیکھ رہے ہیں، وہ ہے ایمان، توحید اور ان لوگوں کی ملت کو چھوڑ دینا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ زبان حال سے ان کو توحید کی دعوت دینا ہے۔ پھر آنجناب نے ان کو زبان قال سے توحید کی دعوت دی۔ آپ نے ان کے سامنے شرک کی خرابی بیان کی اور اس کی دلیل اور برہان پیش کی اور دلیل و برہان ہی کے ساتھ ان کے سامنے حقیقت توحید کو بیان کیا۔ (22) معاملات میں، اہم ترین معاملے سے ابتدا کرنی چاہیے۔ جب مفتی سے کوئی سوال کیا جائے اور مسائل اس سوال سے زیادہ کسی اور چیز کا ضرورت مند ہو تو مفتی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے اسے اس چیز کی تعلیم دے جس کا وہ زیادہ حاجت مند ہے۔ یہ معلم کی خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کے حسن تعلیم و ارشاد کی علامت ہے۔ جب نوجوان قیدیوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے ان کو خواب کی تعبیر بتانے سے قبل اللہ وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دی۔ (23) اگر کوئی شخص کسی ناخوشگوار صورت حال اور کسی سختی میں گرفتار ہو جائے تو کسی ایسے شخص سے مدد لینا جو اس صورت حال سے نجات میں مددگار ثابت ہو سکتا ہو، یا اسے اپنے حال سے آگاہ کرے تو یہ مخلوق کے پاس شکوے کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اس کا تعلق امور عادیہ سے ہے۔ جو عرف عام میں لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں۔ بنا بریں سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان نوجوان قیدیوں میں سے جس کے رہا ہونے کی امید تھی، اس سے کہا: ﴿أَذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ﴾ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔ (24) معلم کے لیے تاکید ہے کہ وہ تعلیم دینے میں کامل اخلاص سے کام لے اور اپنی تعلیم کو کسی سے معاوضہ میں مال و جاہ یا کوئی منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ تعلیم دینے میں خیر خواہی سے کام لے جب تک مسائل کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے معلم کو تکلیف پہنچے، تعلیم دینے سے یا اس کی خیر خواہی کرنے سے انکار نہ کرے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوان قیدیوں میں سے جس کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنے آقا کے پاس ان کا ذکر کرے مگر اسے اپنے آقا کے سامنے سیدنا یوسف کا ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ جب انہیں سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اسی نوجوان کو بھیجا کہ وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھنے کے لیے سیدنا یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے محض اس بنا پر کہ اس نے ان کا ذکر اپنے آقا کے پاس نہیں کیا، اس پر ناراضی کا اظہار کیا نہ اس پر زبرد تو بیخ کی، بلکہ اس کے برعکس انہوں نے اسے ہر لحاظ سے اس کے سوال کا مکمل جواب دیا۔ (25) مسئول کو چاہئے کہ وہ سوال کا جواب دیتے وقت مسائل کی ایسے معاملے کی طرف راہ نمائی کرے جو اس سے متعلق اور اس کے لئے فائدہ مند

ہو۔ اسے وہ راستہ دکھائے جس پر گامزن ہو کر وہ دین و دنیا میں فائدہ اٹھائے۔ یہ اس کی طرف سے کامل خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کا حسن ارشاد ہے۔ کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کو صرف اس کے خواب کی تعبیر بتانے پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی راہ نمائی فرمائی کہ وہ شادابی کے سالوں میں بکثرت پیدا ہونے والے اناج اور محاصل کو ذخیرہ کرنے کے لیے کیا انتظامات کریں۔ (26) اگر کوئی شخص اپنے ذمے کسی تہمت کو دور کرنے اور اپنی براءت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو ملامت نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کا یہ فعل قابل ستائش ہے۔ جیسے جناب یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید سے رہا ہونے سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ ان عورتوں کے احوال کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے آپ کی براءت نہ ہو جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ (27) ان آیات کریمہ سے علم یعنی علم شریعت و احکام، علم تعبیر، علم تدبیر اور علم تربیت کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ نیز علم ظاہری شکل و صورت سے افضل ہے خواہ یہ ظاہری شکل و صورت حسن یوسف ہی کو کیوں نہ پہنچ جائے، کیونکہ یوسف علیہ السلام کو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ابتلا و محن اور قید و بند کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے علم کے سبب انہیں عزت، سر بلندی، زمین میں اقتدار حاصل ہوا۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی علم کے آثار اور اس کے موجبات ہیں۔ (28) علم تعبیر، علوم شریعہ میں شمار ہوتا ہے، اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہونے والے کو ثواب حاصل ہوتا ہے اور خواب کی تعبیر فتویٰ میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُضِيَ الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتَلِينَ﴾ ”اس بات کا فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم فیصلہ طلب کر رہے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا قول نقل فرمایا: ﴿أَفْتُونِي فِي رُءُوسِي﴾ ”مجھے میرے خواب کے بارے میں فتویٰ دو۔“ نجات پانے والے نوجوان نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿أَفْتِنَا فِي سَمْعِ بَعْرَاتٍ﴾ ”ہمیں سات گایوں کے بارے میں فتویٰ دو۔“ ان تمام آیات میں تعبیر کے لیے فتویٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے علم کے بغیر خواب کی تعبیر نہیں بتانی چاہیے۔ (29) اگر انسان اپنی صفت کمال مثلاً علم یا عمل وغیرہ کے بارے میں کسی حقیقی مصلحت کے تحت لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، نیز اس سے ریا کاری مقصود نہ ہو اور جھوٹ سے محفوظ ہو۔۔۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا: ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا﴾ ”مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ان کے انتظام کا علم بھی رکھتا ہوں۔“ اسی طرح عہدہ قابلِ مذمت نہیں جب کہ اس عہدے پر متعین شخص مقدور بھر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کرتا ہو اور اسی طرح اس عہدے کی طلب کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جب کہ وہ کسی دوسرے سے زیادہ اس عہدے کا اہل ہو، عہدہ طلب کرنا اس وقت قابلِ مذمت ہے جب وہ اس عہدے کا اہل نہ ہو اور اس عہدے کی قابلیت رکھنے والا اس جیسا یا اس سے زیادہ قابلِ کوئی اور شخص موجود ہو۔ یا وہ اس عہدے کے ذریعے سے ان امور کو قائم کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو جن کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اسے عہدہ حاصل کرنے سے روکا جائے گا۔ (30) اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو دو کرم بحر بے کراں کی مانند ہے۔ وہ اپنے بندے کو دنیا و آخرت کی بھلائی سے نوازتا ہے۔ آخرت کی بھلائی کے دو اسباب ہیں: ایمان اور تقویٰ۔ آخرت کی بھلائی، دنیاوی ثواب اور دنیاوی اقتدار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ بندے کو چاہیے

کہ وہ اپنے نفس کے لیے دعا کرتا رہے اور اسے اخروی ثواب کا شوق دلاتا رہے اور وہ نفس کو یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ دنیا داروں کی زیب و زینت اور لذات کو دیکھ کر غم زدہ ہوتا رہے۔ درآں حالیکہ وہ ان کے حصول پر قادر نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ اخروی ثواب اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ذریعے سے اسے تسلی دیتا رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا جُزْأَآءَ حَيْثُ لَدَّيْنِ اٰمُوْا وَاٰمُوْا كَالْوَابِثُوْنَ ۝﴾ ”اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ سے انہوں نے کام لیا۔“ (31) غلے اور اناج کو جمع اور ذخیرہ کر کے رکھنا، جب کہ اس سے لوگوں کی فلاح و بہبود اور ان کے لیے وسعت مقصود ہو، اور اس سے لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، کوئی حرج نہیں۔ یوسف علیہ السلام نے شادابی اور فراوانی کے ایام میں غلے اور اناج کو جمع کر کے رکھنے کا حکم دیا تاکہ خشک سالی کے ایام کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی جاسکے اور اس طرح غلہ جمع کرنا توکل کے منافی نہیں، بلکہ بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور وہ تمام اسباب کام میں لائے جو اس کے لیے دین و دنیا میں فائدہ مند ہوں۔ (32) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو زمین کے خزانوں کا منتظم مقرر کیا گیا تو انہوں نے حسن انتظام سے کام لیا یہاں تک کہ ان کے ہاں بکثرت اناج جمع ہو گیا اور دوسرے ملکوں سے لوگ غلہ اور خوراک حاصل کرنے کے لیے مصر کا قصد کرنے لگے، کیونکہ انہیں علم تھا کہ مصر میں غلہ بکثرت موجود ہے اور سیدنا یوسف علیہ السلام ہر آنے والے کو بقدر حاجت غلہ دیتے ہیں، وہ غلہ زیادہ دیتے تھے نہ کم، چنانچہ ہر آنے والے کو ایک بار شتر سے زیادہ غلہ نہیں دیتے تھے۔ (33) مہمان نوازی مشروع ہے اور یہ انبیاء مرسلین کی سنت ہے مہمان کی عزت و تکریم یوسف علیہ السلام کے اس قول سے مستفاد ہے: ﴿اَلَا تَرُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اَوْفِی الْکِیۡلِ وَاَنۢۤاۡخِذَ الْتٰوۡلِیۡنَ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں اناج پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمانی کرتا ہوں۔“ (34) قرینے کی دلیل موجود ہوتے ہوئے بدظنی ممنوع ہے نہ حرام۔ کیونکہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا اور ان کے بیٹوں نے سخت اصرار کیا اور جب انہوں نے جھوٹا بہانہ بنایا کہ یوسف کو بھیڑ یا کھا گیا، تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنْفُسُکُمۡ اَمْرًا﴾ ”بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک کام کو مزین کر کے آسان بنا دیا۔“ پھر یعقوب علیہ السلام نے دوسرے بھائی (بنیامین) کے بارے میں فرمایا: ﴿هَلۡ اَمۡنُکُمۡ عَلَیۡہِۡۤ اِلَّا کَمَا اَمۡنُکُمۡ عَلَیۡہِۡمۡ مِّنۡ قَبۡلُ﴾ ”کیا میں اس کے بارے میں بھی اسی طرح اعتماد کر لوں جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں اعتماد کیا تھا“ اور جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روک لیا اور اس کے بھائی اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان سے پھر یہی کہا: ﴿بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنْفُسُکُمۡ اَمْرًا﴾ حالانکہ دوسری مرتبہ انہوں نے کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ ان سے ایک ایسا کام سرزد ہوا جس پر ان کے باپ کو یہ کہنا پڑا، جس میں کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ (35) نظر بد کے اثرات کے سدباب یا اس کے اثر انداز ہونے کے بعد اس اثر کو ختم کرنے کے لیے اسباب کو استعمال کرنا ممنوع نہیں، بلکہ جائز ہے، اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہی ہے، چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان سے فرمایا: ﴿لَیۡسَ لَکُمۡ حُلُوۡمٌۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّاَذۡحُلُوۡا مِّنۡ اٰبَوَابٍ مَُّتَفَرِّقًا﴾ ”اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازے میں سے شہر میں مت داخل ہونا

بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔“ (36) اس سورہ مقدسہ سے، حقوق کے حصول کے لیے، حیلہ سازی کو جواز مستفاد ہوتا ہے اور خفیہ طریقوں کو استعمال کر کے ایسی معلومات حاصل کرنا، جن کے ذریعے سے ان کے مقاصد تک پہنچنا آسان ہو، ایسے امور میں سے ہے، جس پر بندہ قابل ستائش ہے۔ صرف ایسی حیلہ سازی حرام اور ممنوع ہے جس سے کسی واجب کا اسقاط اور کسی حرام کا ارتکاب لازم آتا ہو۔

(37) اس شخص کے لیے جو کسی کو کسی ایسے معاملے میں وہم میں ڈالنا چاہتا ہے جس کے بارے میں اسے مطلع کرنا اسے پسند نہ ہو، مناسب ہے کہ وہ ایسی قوی اور فعلی تعارضات استعمال کرے، جو جھوٹ سے مانع ہوں۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا تھا، چنانچہ انہوں نے گیہوں ناپنے والا بیانا اپنے بھائی کی خرچی میں ڈال دیا۔ پھر اس میں سے نکال دکھایا اور ظاہر کیا کہ وہ چور ہے اور اس میں اس کے بھائیوں کے لیے اس کے چور ہونے کا بس ایک قرینہ تھا۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ﴾ ”اللہ کی پناہ! ہم اس شخص کو چھوڑ کر جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے دوسرے کو کیسے پکڑ سکتے ہیں۔“ نیز سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: ﴿مَنْ سَرَقَ مَتَاعَنَا﴾ ”جس نے ہمارا سامان چوری کیا“ اور نہ یہ فرمایا: ﴿إِنَّا وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ﴾ ”پیشک ہم نے اپنا سامان ان کے پاس پایا ہے۔“ بلکہ انہوں نے ایک ایسے اسلوب میں بات کی جس کا اطلاق ان کے بھائی کے علاوہ کسی اور پر بھی ہو سکتا تھا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے بچا جانا چاہیے، اس میں صرف یہ ایہام ہے کہ وہ چور ہے تاکہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو ان کے پیش نظر تھا اور ان کا بھائی ان کے پاس رہ سکے اور جب صورت حال واضح ہوگئی تو ان کے بھائی سے یہ ایہام بھی زائل ہو گیا۔ (38) انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے علم، تحقیق، مشاہدہ اور قابل اعتماد خبر جس پر اطمینان نفس ہو... کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق گواہی دے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا: ﴿وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا﴾ ”ہم تو صرف اس کے مطابق گواہی دے سکتے ہیں جس کے متعلق ہم جانتے ہیں۔“ (39) یہ ایک عظیم آزمائش تھی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے چنے ہوئے بندے، یعقوب علیہ السلام کو آزمایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے درمیان جدائی ڈال دی جن سے ایک گھڑی کے لیے جدا ہونا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اتنی سی جدائی بھی انہیں سخت غم زدہ کر دیتی تھی۔ پس طویل عرصے تک وہ ایک دوسرے سے جدا رہے جو تیس سال سے کم نہ تھا اس عرصہ کے دوران حزن و غم یعقوب علیہ السلام کے دل سے کبھی جدا نہ ہوا: ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَوِيمٌ﴾ ”غم سے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ غم سے گھل رہا تھا۔“ اور معاملہ اس وقت اور بھی زیادہ سخت ہو گیا جب ان کا دوسرا بیٹا، یوسف کا حقیقی بھائی بھی، ان سے جدا ہو گیا۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کی امید میں اس کے حکم کے مطابق صبر کر رہے تھے انہوں نے اپنے آپ سے صبر کا عہد کر لیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے عہد پر پورے اترے۔ ان کا یہ قول صبر کے منافی نہیں ﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہوتا۔ صرف وہ شکوہ صبر کے منافی ہے جو مخلوق کے پاس کیا جائے۔ (40) دکھ کے بعد سکھ اور تنگی کے بعد فراخی ضرور آتی ہے۔ یعقوب علیہ السلام پر رخ و غم کی مدت بہت طویل ہوگئی۔ شدت غم اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور آل یعقوب کو بد حالی نے لاچار کر دیا۔ تب

اللہ تعالیٰ نے ان پر خوش حالی بھیج دی۔ انتہائی سخت حالات میں ان کی ملاقات ہوئی اور یوں اجر کی تکمیل ہوگئی اور انہیں راحت و سرور حاصل ہوا۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو سختی اور نرمی، تنگ دستی اور فراخ دستی کے ذریعے سے آزاتا ہے، تاکہ ان کے صبر و شکر کا امتحان لے اور اس طرح ان کے ایمان، یقین اور عرفان میں اضافہ ہو۔ (41) اگر انسان اپنے موجودہ احوال یعنی کسی مرض اور فقر وغیرہ کے بارے میں ناراضی کا اظہار کیے بغیر کسی کو آگاہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ یوسف کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الظُّرُّ﴾ ”اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت اور بد حالی نے آگھیرا ہے“ اور ان کے اس قول پر سیدنا یوسف علیہ السلام نے نکیر نہیں فرمائی۔ (42) اس پورے قصے میں تقویٰ کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی تقویٰ اور صبر کے آثار کی وجہ سے ہے۔ اہل تقویٰ اور اہل صبر کا انجام بہترین انجام ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ آتَاهُ مِنْ يَتِيمٍ وَيَصِدُّ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا بے شک اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“ (43) جس کسی کو شدید محتاجی اور بد حالی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا ہو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کرے اور اپنی پہلی بد حالی اور محتاجی کو یاد رکھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم لوگوں کو صحرا سے یہاں لایا۔“ (44) یوسف علیہ السلام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا عظیم لطف و کرم تھا کہ اس نے آپ کو ان احوال سے منتقل کر کے سختیوں اور مصائب میں مبتلا کیا، تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آپ کو اعلیٰ ترین منازل اور بلند ترین درجات پر فائز کرے۔ (45) بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدمی کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا رہے اور ایسے اسباب رو بہ عمل لاتا رہے جو ایمان پر ثابت قدمی کے موجب ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے اتمام نعمت اور خاتمہ بالخیر کا سوال کرتا رہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿سَهِّبْ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّلْوَاتِ وَالْأَمْرُضِ ۗ أَنْتَ وَرَبِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ أَنْتَ كَفَيْتَنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْتَنِي بِالْطَّالِحِينَ﴾ ”اے میرے رب! تو نے مجھے افتد اعطا کیا اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت میں تو ہی میرا سرپرست ہے۔ اسلام پر مجھے موت دے اور مال کار مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر۔“ اس بابرکت قصے میں یہ چند نکات اور تعبیرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آسان فرمایا اور ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس قصے میں غور و فکر کرنے والے پر تعبیرات کے کچھ اور در پیچھے وا کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع اور عمل مقبول کا سوال کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ جو دو کرم کا مالک ہے۔